حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ناشر :

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

طبع اول

۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء

کتاب	:	اسلام کے تین بنیادی عقائد
مصنف	:	حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
صفحات	:	۱۶۳
قیمت	:	۷۰/روپیہ
کمپوزنگ	:	اپروچ کمپیوٹرز، امین آباد، لکھنؤ
		فون : ۳۲۰۰۴۶۲

ملنے کے پتے :

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

☆ حرمین بکڈپو، کچہری روڈ، لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہرس

باب سوم

آخـــرت

۱۳۴ - ۱۶۳

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
(استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و صحبہٖ اجمعین اما بعد !

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمراں ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے" رسول اللہ ﷺ نے صریح الفاظ میں عقائد کے پانچ اصول تلقین کیے، خدا پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال کی خبر اور سزا کے دن پر ایمان۔

یہ وہ پانچ اصول ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر آیا ہے، سورہ نساء میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :

یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ والکتاب نزل علی رسولہ والکتاب الذی أنزل من قبل و من یکفر باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الأخر فقد ضل ضلالا بعیداً.

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری، اور جو شخص خدا کا، اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کرے وہ سخت گمراہ ہوا۔

قرآن مجید میں یہ تمام عقائد بار بار بیان کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے

عقائد جو اہل سنت و جماعت کے یہاں مسلمات میں سے ہیں ان کا تذکرہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں پایا جاتا ہے جیسا کہ تقدیر کا مسئلہ ہے، قرآن مجید میں اس کا مختلف انداز سے تذکرہ ہے اور پھر حدیث شریف میں بڑی وضاحت وصراحت سے اس کو ایمانیات میں داخل کیا گیا ہے۔

ان میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ آخرت اور رسالت کو تو قرآن مجید میں بڑی کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کو ''کتاب التوحید'' بھی کہا گیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ توحید کے بارے میں واضح سے واضح، صریح سے صریح، طاقتور سے طاقتور دوٹوک بات جو کہی جاسکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے، قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عقیدہ آخرت پر بے حد زور دیا ہے۔ بلکہ مکی وحی کا بیشتر حصہ اس کی تلقین وتبلیغ پر مشتمل ہے۔

خدا کے رسول پر ایمان ضروری قرار دیا گیا ہے، اور جگہ جگہ ان کے اوصاف و کمالات اور ان کا تذکرہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اس کی ہدایات اور اس کی مرضی کا علم انہی کے واسطہ سے ہوتا ہے، اس کے ساتھ اس کی کتابوں اور فرشتوں پر بھی ایمان ضروری قرار دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان تمام ایمانیات پر اپنی بے نظیر تالیف ''سیرۃ النبی'' ج چہارم میں نہایت محققانہ اور فاضلانہ کلام فرمایا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ نے ''ارکان اربعہ'' پر قلم اٹھایا اور ایک ایسی تصنیف وجود میں آئی جس کی داد ہر صاحب قلم نے دی اور دل کھول کر دی، ان کا ارادہ تھا کہ اسی طرز پر اسلام کے رکن اول پر بھی قلم اٹھائیں اور اس کا خاکہ بھی تیار کرلیا تھا لیکن یہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، ان کے نیازمندوں کو یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا نے عقائد پر مختلف اوقات میں مختلف انداز سے کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے، جو مختلف پرچوں اور رسالوں کی فائلوں میں بند ہے، اگر ان کو یکجا کر کے طبع کرادیا جائے تو نفع سے خالی نہ ہوگا، برادر عزیز القدر مولوی

بلال سلّمہٗ اللہ تعالیٰ ونفع بہ سب کے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنی سعادت سمجھ کر محنت و جستجو کر کے یہ تمام مضامین جمع کئے، اس طرح توحید، آخرت اور رسالت جو عقیدہ کے بنیادی اور اہم ترین اجزاء میں سے ہیں پر کئی مضامین دستیاب ہوگئے، جو بہ نام خدا طبع کرائے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمالے، اس فساد زدہ بگڑے ہوئے ماحول میں عقیدۂ توحید کے پھیلنے، عقیدۂ توحید کے راسخ ہونے اور عقیدۂ رسالت کو سمجھنے اور آپ ﷺ کے نبی آخرالزماں ہونے کو تسلیم کرنے اور ان کو جزو ایمان بنانے کا ذریعہ بنالے۔ آمین

عبداللہ حسنی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عرض ناشر

ادیان و مذاھب کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاھب میں زیادہ زور و اصرار ظاہری عادات و رسوم پر ہے۔ لیکن اسلام نے دین کی بنیاد عقائد پر رکھی ہے اور ظاہر کو باطن سے جوڑا ہے، دونوں میں توافق پیدا کرنے پر زور دیا ہے، اور یہ بات صاف کردی ہے کہ بڑے سے بڑا عمل اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس عقیدہ و ایمان کے ساتھ مربوط نہ ہو جو حضرت محمد ﷺ نے بیان فرما دیا ہے۔

ابتدا ہی سے اسلامی عقائد پر بڑی فاضلانہ اور متکلمانہ کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں جن میں "العقیدة الطحاویة" کو بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے اور علمی و دینی اداروں میں اس کو نصاب کا جزء بنایا گیا ہے۔ قریبی دور میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے "تقویة الایمان" کے نام سے کتاب لکھ کر ایمان اور کفر، سنت اور بدعت کے درمیان حد فاصل کھینچ دی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے "رسالة التوحید" کے نام سے اس کا بڑا اسلیس ترجمہ فرمایا ہے جس پر بڑے قیمتی حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے خاندان کو شروع ہی سے توحید و سنت کے ساتھ خاص شغف رہا ہے، اور اس سلسلہ میں خاندان کے بزرگوں میں ہمیشہ بڑی حساسیت رہی ہے، تصوف سے اشتغال کے ساتھ ساتھ توحید و سنت کی دعوت جس قوت کے ساتھ دائرہ شاہ علم اللہ سے بلند کی گئی ہے وہ اس کا نمایاں امتیاز ہے۔

حضرت مولاناؒ نے بھی اپنی تحریر و تقریر میں جا بجا اسلامی عقائد کی عام زبان میں وضاحت فرمائی ہے، "العقیدة والعبادة والسلوک" (دستور حیات) میں خاص طور پر

مولانا نے اسلامی عقائد کو آسان زبان میں اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا ہے، اس کے علاوہ شروع ہی میں حضرت مولاناؒ نے توحید، رسالت اور آخرت پر تفصیل مضامین تحریر فرمائے تھے جو مجلّہ ''الفرقان'' اور بعض دوسرے رسائل میں شائع ہوئے تھے، ان مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مولانا نے انسانی نفسیات کو سامنے رکھ کر عقیدہ کی ضرورت بیان فرمائی ہے، اور پھر اس کی وضاحت کی ہے۔ یہ بڑے مفید مضامین تھے اور اس کی بڑی ضرورت تھی کہ یہ دوبارہ شائع کئے جائیں تا کہ عمومی طور پر فائدہ اٹھایا جاسکے،

راقم سطور کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ یہ کام اس کے حصہ میں آیا۔ ان تینوں مضامین کے ساتھ حضرت مولانا کی دوسری اہم تصنیفات اور تقریروں سے بھی ضروری اقتباسات اس میں شامل کردئے گئے ہیں، عناوین جابجا اس خاکسار نے ڈال دئے ہیں۔ اس طرح یہ مکمل کتاب قارئین کے سامنے ہے۔

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی کے مقاصد میں یہ داخل ہے کہ حضرت مولانا کے منتشر مضامین کو یکجا کیا جائے اور موضوع کی وحدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کتابیں شائع کی جائیں۔ یہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جس کا موضوع اسلامی عقائد ہے۔ موضوع کی اولیت و اہمیت کے اعتبار سے یہ بہتر آغاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتری کے ساتھ اس کی تکمیل بھی کرادے اور اس سلسلہ کو مفید تر بنائے۔ اور تمام تعاون کرنے والوں کو اجر عطا فرمائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
۹ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
دار عرفات، رائے بریلی

دینِ اسلام کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار ''عقیدہ'' پر زور اور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام ایک معیّن عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت، یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل، نیکی وصلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر، اور مثالی مجسّمہ، خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کسی مفید انقلاب کا ظہور رہا ہو، اس وقت تک کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حدّ فاصل اور واضح و روشن خط ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں، اور ہر اس شخص کے درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمۂ فکر ونظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔(۱)

قرآن مجید جو تحریف سے محفوظ اور قیامت تک باقی رہنے والی واحد آسمانی کتاب

(۱) موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ اور افکار ونظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں، اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں، بلکہ الٹے ان لوگوں کو ہدفِ ملامت بنا لیتے ہیں، اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں جو اس موقعہ پر عقیدہ کی بحث کو اٹھائیں، اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں، یہ طرز فکر اور طرز عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

ہے، اور سیرت خاتم النبیین ﷺ جو انبیائے کرام کی سیرتوں میں تنہا وہ سیرت ہے، جس پر تاریخی و علمی طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اور جس سے ہر دور میں عملی استفادہ ممکن ہے، اس حقیقت اور دعوے کے بکثرت شواہد و دلائل فراہم کرتے ہیں، ذیل میں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں وہ آیت کریمہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تحمل اور نرم دلی کی خاص طور پر تعریف کی ہے :

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ. (۱)

بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے، نرم دل، اور رجوع کرنے والے تھے

اور ان کے رفقاء و متبعین کا طرز عمل، اصول زندگی، اور مزاج و مذاق، اسی طرح بیان فرمایا ہے :

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ. رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ (۲)

تمہیں ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں (اور) تمہارے معبودوں کے (کبھی) قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی، ہاں! ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا، (۳) اور میں خدا کے

---

(۱) ہود : ۷۵ (۲) ممتحنہ : ۴

(۳) شاید بعض دلوں میں یہ خلجان پیدا ہو کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ سے دعا اور ==

سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے، اور تیرے ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں، اور تیرے ہی حضور میں ہمیں لوٹ جانا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت اور اس کے وصل وفصل کا معیار ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے، کہ سورۃ الکافرون مکۂ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی، جب حالات نرمی، تلطّف، اور عبادت وعقیدہ کی بنیاد پر دشمنی پیدا نہ کرنے، اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے، جب اسلام کو طاقت حاصل ہوجائے، اور معتدل و پرسکون حالات ہوں، لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کھل کر اعلان کرتے ہیں:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (۱)

"اے پیغمبر! ان منکرانِ اسلام سے کہدو کہ اے کافرو جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو، میں نہیں پوجتا، اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کی تم عبادت نہیں کرتے اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو، ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں، اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو، جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تم اپنے دین پر، میں اپنے دین پر۔"

== استغفار کا وعدہ کیوں کیا؟ اس کا جواب سورہ براءۃ کی آیات ۱۱۳-۱۱۴ میں موجود ہے، کہ انہوں نے اس وعدہ کا ایفاء کیا، لیکن جب ان کو معلوم ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ تو اس سے بیزار ہوگئے، اور انہوں نے اظہار برأت کیا، اور اب ہمیشہ کے لئے یہی اصول بنادیا گیا۔

(۱) کافرون

توحید

توحید ایک انسانی ضرورت

انسان سراپا احتیاج، مجسم صورت سوال اور ہمہ تن کاسۂ گدائی ہے! اس کی ضرورتیں بے پایاں اور گویا غیر محدود، اس کے جسمانی اور روحانی مطالبے اور تقاضے حد سے بڑھے ہوئے، اس کی فطرت حریص اور غیر قانع ہے، اس لئے وہ کسی ایسی ہستی کے سہارے نہیں جی سکتا، جس کی طاقت و اختیار، جس کی بخشش و رزّاقی، جس کی اطلاع و واقفیت، خواہ وہ کتنی وسیع ہو، لیکن محدود ہے۔

انسان اپنی فطرت میں شیشہ سے زیادہ نازک اور حُباب سے زیادہ کمزور ہے، وہ اپنے وجود و بقا کے لئے صدہا چیزوں کا محتاج ہے، اور اس عالم میں ہزاروں موجودات اس کے دشمن ہیں، اس کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو کائنات پر فرمانروائی کرتا ہو، عناصر پر جس کا قبضہ ہو، اشیاء کے خواص و اثرات اس کی مٹھی میں ہوں، وہ ان کا پیدا کرنے والا بھی ہو، ان کو نظم و ضبط میں رکھنے والا بھی ہو، اور ان کو سلب کر لینے، تبدیل کر دینے کی قدرت بھی رکھتا ہو، اس کے دستِ قدرت میں کبھی رعشہ اور اس کے پایۂ حکومت میں کبھی لغزش و اضطراب نہ ہو، کہ ایک خفیف ارتعاش اور ایک ادنیٰ لغزش و اضطراب، آفاق و انفس کی اس کارگۂ شیشہ گری کو برباد اور اضداد و متناقضات کے اس کارخانہ کو ٹکرا کر درہم برہم کر سکتا ہے، اس کا علم حاضر اور محیط ہو، وہ ہمہ وقت ہوشیار و بیدار ہو، سہو و نسیان، غفلت اور نیند کا خمار بھی کبھی اس کے پاس نہ آ سکے، کہ مخلوقات بے شمار اور ان کی ضرورتیں بے حد و حساب اور ایسی مخفی ہیں کہ ان کو خود خبر نہیں، وہ طفلِ شیر خوار سے زیادہ پرورش و نگرانی کا محتاج اور محبت و شفقت کا مستحق ہے، اس کو ایسی ہی ہستی کی ضرورت ہے، جو ماں باپ سے زیادہ شفیق ہو، لیکن اس کی شفقت میں رحمت و حکمت دونوں ہوں کہ اس کی تربیت کے لیے دونوں ناگزیر ہیں۔

اگر چہ اس عالم خارجی وداخلی (آفاق وانفس) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہستی سوائے اللہ کے کوئی نہیں، اور آفاق وانفس کی بکثرت نشانیاں، اور دلائل اس حقیقت کی طرف رہبری کرتے ہیں، جیسا کہ خود فرمایا :

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الآفَاقِ وَ فِي أَنفُسِهِمْ، حَتىٰ يَتبَيَّنَ لَهُم أَنَّهُ الْحَقُّ، أو لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلىٰ كُلِّ شَيءٍ شَهِيدٌ ○ (۱)

''ہم ان کو اپنے نمونے دکھائیں گے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے کہ وہ حق ہے، کیا تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کیلئے کافی نہیں،

اس لیے عبادت وبندگی کی مستحق اسی کی ذات ہے۔

دھوکہ اور غفلت

لیکن اس عالم میں موہوم نفع وضرر کا چشمۂ سراب اس طرح متموج ہے، کہ انسان کی نظر بار بار دھوکہ کھاتی ہے، اور اپنی جیسی صدہا مجبور و بے اختیار ہستیوں کو نافع وضارّ اور قادر و مختار سمجھ کر اپنا الٰہ و معبود بنالیتا ہے، اور یہ طلسم بعض اوقات زندگی بھر نہیں ٹوٹتا۔

انسان کھائے پیئے، پڑا رہے اور اس کی نسل چلتی رہے، اور بعض اوقات علم میں آسمان کے تارے توڑ لائے اور بڑے بڑے سمندر وصحرا طے کرلے لیکن اپنے پیدا کرنے والے کو نہ پہچانے، اس سے بڑھ کر جہالت کیا ہوسکتی ہے، لیکن دنیا میں یہی ہورہا تھا، کروڑوں انسان اپنے پیدا کرنے والے کو نہیں جانتے تھے، باپ کو جانتے تھے لیکن باپ کو کس نے پیدا کیا پھر اس کے باپ کو کس نے پیدا کیا؟ پھر اس کو اور آگے حضرت آدم تک لے جائیے، یہ کوئی نسب نامہ نہیں ہے لیکن ہم کو کس نے پیدا کیا؟ کائنات کو کس نے بنایا؟ زمین و آسمان کی کس نے خلقت کی؟ پہاڑ کس نے کھڑے کیئے؟ یہ باغ کس نے اگائے؟ اور روزی کون دیتا ہے؟ اور اچھی بری تقدیر کس نے بنائی ہے؟ اور کون موت وزندگی کا مالک ہے؟ آج اگر کوئی شخص ہندی نہیں پڑھا ہے تو لوگ کہیں گے کہ ''ان پڑھ'' ہے اور اگر اردو نہیں پڑھا

---

(۱) حم سجدہ۔ ۵۳

ہے تو مسلمانوں کے حلقہ میں ناخواندہ کہیں گے، اور عربی نہیں پڑھا ہے تو عرب کہیں گے امّی ہے، جاہل ہے، لیکن اس سے بڑھ کر کیا جہالت ہوسکتی ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے ہی کو نہ جانے کہ وہی عبادت کا مستحق ہے، دنیا اس سے بالکل ناآشنا تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

افضل ترین علم

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ جو علم و معارف انسانوں تک پہونچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ، اہم اور ضروری علم خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم ہے، اس علم کا مصدر و منبع صرف انبیاء کرام ہیں کیونکہ اس علم کے وسائل و ذرائع، اور اس کی ابتدائی معلومات و تجربات بھی انسان کے دسترس سے باہر ہیں، یہاں قیاس کی سرے سے بنیاد ہی نہیں، خدا کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں، اور وہ ہر طرح کی مشابہت و مماثلت سے منزّہ، پاک اور بلند و برتر ہے، وہ ہر اس خیال، مشاہدہ اور احساس سے وراء الوراء ہے، جن سے انسان واقف و مانوس ہے اور جن سے وہ مادّی و حسّی دنیا میں کام لیتا ہے، یہاں عقل و قیاس اور ذہانت و ذکاوت بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ وہ میدان نہیں ہے جہاں عقل کے گھوڑے دوڑائے جائیں، اور قیاسات کی پتنگیں اڑائی جائیں، شاعر نے صحیح کہا ہے۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وھم　　　　وز ہر چہ گفتہ ایم شنیدم و خواندہ ایم

منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　　ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

یہ علم اس لئے سب سے برتر و افضل قرار دیا گیا کہ اسی پر انسانوں کی سعادت و فلاح موقوف ہے اور یہی عقائد و اعمال، اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا ہے، کائنات کی پہیلی بوجھتا اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں سے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ، اور پورے اعتماد، بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔

اسی لئے ہر قوم و نسل، اور ہر دور و طبقہ میں اس علم کو سب سے بلند درجہ دیا گیا، اور ہر سنجیدہ، مخلص، با مقصد اور انجام کی فکر رکھنے والے انسان نے اس علم سے گہری دلچسپی اور

شغف کا اظہار کیا، کیونکہ اس علم سے ناواقفیت (خواہ شعوری و ارادی ہو یا غیر شعوری و غیر ارادی) ایسی محرومی کا سبب ہے جس کے بعد کوئی محرومی نہیں، اور ایسی ہلاکت و بربادی کا باعث جس سے بڑھ کر کوئی ہلاکت و بربادی نہیں۔

انبیاء کا طریقۂ دعوت

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے حق واضح کرنے کے لئے اور لوگوں کے طلسمِ نظر کو توڑنے کے لئے دو طریقے اختیار کئے :

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا کہ شرک و جہل کے زہر کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تریاق نہیں، شرک، جہل خدا سے بیگانگی اور غیر اللہ کی گرفتاری و مشغولی کا اصل سبب، خدا شناسی، اس کی صفات و افعال سے بے خبری یا غفلت ہے، اسی لئے فرمایا :

"وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ، سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (۱)

اور نہیں سمجھے وہ اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور زمین ساری مٹھی میں ہے اس کی قیامت کے دن، اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے کہ اس کا شریک بتلاتے ہیں۔

(۲) اللہ کے سوا تمام ہستیوں اور مخلوقات کی اصل حقیقت اور ان کی صحیح حیثیت بیان کردی تاکہ نگاہ سے پردہ ہٹ جائے، اور روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ وہ دراصل کیا ہیں اور کسی کے لئے اور اپنے لئے وہ کس حد تک مفید و کارآمد ہو سکتے ہیں، اور ان کے ساتھ عبودیت و بندگی کا معاملہ، اور ان سے نفع و ضرر اور کاربرآری کی توقع، ان کی حمایت و سرپرستی پر بھروسہ، ان کے علم و آگاہی پر اعتماد اور ان کے سہارے جینا کہاں تک درست اور قرینِ عقل ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کے سلسلہ میں ان حضرات نے بڑی اصولی اور انقلاب انگیز باتیں کیں جن سے زندگی کا رخ اور ذہن و قلب کی سمت بدل جاتی ہے، مثلاً وہ صمد ہے، یعنی تمام کائنات اور عالم کا ہر ذرّہ اپنے وجود و متعلقات وجود میں اس کا محتاج ہے اور

(۱) سورۂ زمر – ۶۷

وہ قطعاً کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، خلق و پیدائش کے سوا دنیا کا یہ پورا کارخانہ ہی وہی تنہا چلا رہا ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک اُسی کی حکومت اور اسی کا انتظام ہے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ○ سُن لو اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ ○ کام کا انتظام کرتا ہے آسمان سے زمین تک۔ اور اس سلطنت میں اس کا کوئی معاون و شریک نہیں۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا ○ (۱) (کہو سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ اس کا کوئی ساجھی ہے سلطنت میں اور نہ کوئی مددگار ذلت کے وقت پر، اور اس کی بڑائی کر وجان کر) وَمَا لَھُمْ فِیْھِمَا مِنْ شِرْکٍ وَّ مَالَہٗ مِنْھُمْ مِنْ ظَھِیْرٍ ○ (۲) اور نہ (مشرکین کے معبودوں کا) آسمانوں اور زمین میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے (اللہ کا) کوئی مددگار ہے، صرف اسی کی سلطنت لامحدود، قدرت غیر متناہی، دریاء کرم بے پایاں اور خزانے غیر مختتم ہیں، وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳) اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے، یَدٰہُ مَبْسُوْطَتَانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ (۴) اس کے دست کرم دراز ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے، یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (جس کو چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے) اس لئے حریص انسان کی جھولی وہی بھر سکتا ہے اور اس کی تشفی وہی فرما سکتا ہے صرف اسی کو ظاہر و پوشیدہ اور راز دلی کا علم ہے اور صرف اسی کی ذات ہمہ دان و ہمہ بین ہے، عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ (پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے) یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ. (وہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے) اس لئے صرف اس کے علم و آگاہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اور دل کی مخفی خواہشوں اور زندگی کی غیر محسوس ضرورتوں کو وہی جان سکتا ہے اور وہی پورا کر سکتا ہے، وہی انسان کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کے پہرہ دار انسان کی حفاظت کیلئے مقرر ہیں۔

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (۵) اس کے

---

(۱) الاسراء-۱۱۱ (۲) السباء۲۲
(۳) المنافقون، ۷ (۴) المائدہ۶۴
(۵) الرعد-۱۱

پہرے والے ہیں بندہ کے آگے اور پیچھے، اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ پھر وہ نزدیکوں سے زیادہ نزدیک اور یگانوں سے زیادہ یگانہ ہے، وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور مرنے والے سے اسکے تیمارداروں سے زیادہ نزدیک ہے۔

نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الورید (۱) وَ نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَ لٰكِنۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ (۲)

وہ ہر شخص کی دعا و التجا کو ہر وقت اور ہر جگہ سنتا ہے، اس کے اور بندے کے درمیان کوئی دیوار اور آڑ نہیں، نہ اس کے یہاں اظہار مدعا کے لئے کسی ذریعہ اور سفارش کی ضرورت۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيۡ عَنِّيۡ فَإِنِّي قَرِيۡبٌ. أُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِيۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِيۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ ○ (۳) اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں، قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا جب مجھ سے دعا مانگے، تو چاہیئے کہ وہ حکم مانیں میرا، اور یقین لاویں مجھ پر، تاکہ نیک راہ پر آویں پھر اس کی محبت وشفقت حد سے بڑھی ہوئی، ماں باپ کی محبت محض اس کی ربوبیت اور رحمت کا ایک کرشمہ اور ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

پھر وہ ہمیشہ زندہ اور بیدار ہے، کیونکہ وہ زمین اور آسمان کو سنبھالے ہوئے اور ان کے زمام انتظام وضبط ونظام کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، اس لئے کسی وقت اس کے یہاں غفلت ونسیان نہیں۔

اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ لَا تَأۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوۡمٌ (۴)

اس کے مقابلہ میں انہوں نے اللہ کی تمام مخلوقات کے لئے وہ تمام اوصاف ثابت کئے جو ان صفات الٰہیہ کے مقابل وضد واقع ہوئے ہیں اور جن کا مجموعہ بندگی و بیچارگی اور ضعف وعجز ہے:

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ، وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ

---

(۱) ق-۱۶ (۲) الواقعہ ۸۵
(۳) البقرہ-۱۶۸ (۴) بقرہ-۲۵۵

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ، وَمَادُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (۱)

اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے اُن کے کچھ بھی، مگر جیسے کسی نے پھیلائے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آ پہنچے اس کے مُنہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اس تک، اور جتنی پکار ہے کافروں کی سب گمراہی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَّ لَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ، وَ اِنَّ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (۲)

اے لوگو! ایک مثل کہی گئی ہے سو اس پر کان رکھو، جن کو تم پُوجتے ہو اللہ کے سوا، ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی، اگرچہ سارے جمع ہو جاویں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی، چھڑا نہیں سکتے وہ اس سے، بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے، اللہ کی قدر نہیں سمجھے جن سے ان کی قدر ہے، بیشک اللہ زور آور ہے زبردست!

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ. اِتَّخَذَتْ بَيْتاً. وَاِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (۳)

مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکڑی کی مثال، بنالیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر، اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ، وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا

---

(۱) الرعد-۱۴ (۲) الحج-۳-۷۴/۷
(۳) العنکبوت-۱

يَـمْـلِـكُـوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ إِنْ تَـدْعُـوْهُـمْ لَا يَـسْـمَـعُوْا دُعَائَكُمْ، وَلَوْسَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ، وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ، وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○ يَا أَيُّهَـاالـنَّـاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ، وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ○ (۱)

یہ اللہ ہے تمہارا رب، اسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سنیں تو تمہارے کام کو نہ پہنچ سکیں، اور قیامت کے دن تمہارے شریک ٹھہرانے سے منکر ہوں گے، اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ بے پرواہے، سب تعریفوں والا۔

وَاتَّـخَـذُوْا مِـنْ دُوْنِـهٖ آلِهَةً لَا يَـخْـلُقُوْنَ شَيْئاً وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَـمْلِكُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرّاً وَّلَا نَفْعاً وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتاً وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْراً○ (۲)

مشرکین نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور خود مخلوق ہیں، اور جو اپنے ہی لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت وزندگی اور دوبارہ زندہ ہونے پر بھی کوئی قدرت نہیں۔

لوگوں کے دو طبقے

انبیاء کرام کی ان واضح ہدایات اور تعلیمات کے بعد عام طور پر لوگوں میں دو طبقہ وجود میں آئے :

(۱) ایک طبقہ وہ ہے جس نے خدا کے ان پیغمبروں پر اعتماد کیا جن کو اللہ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا، اپنی صحیح معرفت عطا کی، اور اپنی ذات وصفات اور اپنی مرضیات سے واقفیت کے لئے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا اور ان کو یقین کی ایسی دولت بخشی جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، وہ نور عطا کیا جس سے زیادہ بصیرت افروز اور قابلِ

---

(۱) فاطر۱۳-تا۱۵ (۲) الفرقان-۳

اعتماد کوئی روشنی نہیں ہو سکتی۔

"وَ کَذٰلِکَ نُرِيْ إِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ" ○ (۱)

اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھاتے ہیں تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

اسی جماعت انبیاء کے ایک فرد (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنی قوم کو جب وہ ان سے خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں (بغیر کسی علم اور بغیر کسی نور کے) کٹ حجتی کر رہی تھی، جواب دیا:

أَتُحَاجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدَانِ. (۲)

کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردوکد کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہِ حق دکھادی ہے۔

اس طبقہ کے افراد نے انبیاء کرام کا دامن تھام کر اور ان کے عطا کئے ہوئے بنیادی حقائق وعقائد کی روشنی میں کائنات وانفس میں غور وتفکر اور آیات الٰہی اور صحیفۂ آسمانی میں تدبر کا سفر شروع کیا، اور اس کی مدد سے عمل صالح، تزکیۂ نفس، اور تہذیب اخلاق کا کام صحیح خطوط پر انجام دیا، انہوں نے عقل سے کام لینا چھوڑا نہیں، صرف یہ کیا کہ ان کو صحیح راستہ پر ڈال کر اس سے وہ خدمت لی جو اس کے کرنے کا کام، اور اس کا اصلی فائدہ تھا، انہوں نے دیکھا کہ اس کے بعد انبیاء کی تعلیمات اور ان کے نتائج غور وفکر میں مکمل ہم آہنگی ہے، اور وہ ایک دوسرے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں اور ان کے ایمان ویقین میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَاناً وَّ تَسْلِيْماً (۳)

اور اس سے ان کے ایمان واطاعت میں اضافہ وترقی ہی ہوئی۔

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے جس نے اپنی ذہانت اور علم پر کلی اعتماد وانحصار کیا، عقل کی لگام آزاد چھوڑ دی، اور قیاس کے گھوڑے دوڑائے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مطالعہ وتحقیق

---

(۱) انعام: ۷۵ (۲) انعام: ۸۰

(۳) احزاب: ۲۲

میں اس طرح بے باکانہ تحلیل و تجزیہ سے کام لیا، جس طرح کسی کیمیاوی تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں طبیعاتی قوت، یا کسی نباتاتی وجود کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں "وہ ایسا ہے" "وہ ایسا نہیں ہے" کے بے دھڑک فیصلے شروع کر دیئے، ان کے یہاں اس سلسلہ میں "وہ ایسا نہیں ہے" کی مقدار "وہ ایسا ہے" کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اور یہ واقعہ ہے کہ جب انسان یقین و روشنی سے محروم ہو، تو اس کے لئے "نفی" "اثبات" سے زیادہ آسان ہوتی ہے، اسی لئے فلاسفۂ یونان کے الٰہیات میں نتائجِ بحث و تحقیق اکثر منفی ہیں، اور کوئی دین، کوئی مذہب، کوئی نظامِ حیات بھی نفی پر قائم نہیں ہوتا۔

یہاں قرآن کریم کا ایک عجیب دل آویز نکتہ ہے جس کی طرف سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک جملہ سے توجہ ہوئی، وہ فرماتے ہیں، فلاسفۂ یونان جب اللہ جل شانہ کی صفات کا ذکر کرتے (جس کو وہ اپنی فلسفیانہ زبان میں "واجب الوجود" یا "مبدأ فیاض" سے یاد کیا کرتے تھے) تو وہ ان صفات کی زیادہ تفصیل اور گہرائی میں جاتے تھے، جو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں ہیں، یعنی سلبی صفتیں (وہ ایسا نہیں ہے، اور اس بات سے مبرا ہے) اور جب اثباتی صفات کا ذکر ہوتا (اللہ ایسا ہے اور اس کی یہ صفت ہے) تو اس میں اجمال سے کام لیتے، اس طرح فلسفہ میں سلبیات کا بیان مفصل ہے، اور ایجابیات کا ذکر اجمالاً ملتا ہے، برخلاف قرآن کریم کے اس میں ایجابیات کی تفصیل ہے اور سلبیات کا اختصار ہے، دوسرے آسمانی مذاہب اور انبیاء کرام کی تعلیمات میں یہی مشترک وصف ملے گا کہ اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثباتی بیان قرآن کریم کی ان آیات میں پڑھئے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ، عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی، یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَهُوَ الْعَزِیْزُ

(۱) کتاب النبوات۔ از شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ (الفاظ مؤلف کے ہیں)

الْحَكِیْمُ ○ (۱)

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات، (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی خدا (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد واختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔

اور سلبی صفت کا ذکر پڑھئے:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ (۲)

اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ دیکھتا، سنتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے مزید فرمایا کہ سلبی صفات خواہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوں، ان کا وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو ایک اثباتی بیان کا ہوتا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے بالکل سچی بات کہی ہے، حقیقت یہی ہے کہ ہماری یہ زندگی اور گزری ہوئی نسلوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انسانی زندگی اثبات پر قائم ہے، نہ کہ نفی پر، نفی کی نسبت انسانی زندگی اور تمدن میں بہت معمولی ہے۔

توحید اور شرک کی حقیقت اور مشرکین عرب

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے، جس کے عقائد میں خلل اور ایمان میں بگاڑ ہو، اس کی نہ کوئی عبادت مقبول اور نہ اس کا کوئی عمل صحیح مانا جائے گا، اور جس کا عقیدہ درست اور ایمان صحیح ہو اس کا تھوڑا عمل بہت ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ اس کا ایمان وعقیدہ صحیح ہو، اور صحیح ایمان وعقیدہ کا حصول اور اس پر اطمینان، اس کا مقصودِ عمل، اور منتہائے آرزو ہو، اس کو ناگزیر اور بے بدل سمجھے، اور اس میں ایک لمحہ بھی تاخیر

(۱) حشر: ۲۲ تا ۲۴ (۲) الشوریٰ-۱۱

سے کام نہ لے۔(۱)

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے کفار اپنے معبودانِ باطل کو اللہ وحدہٗ لا شریك لهٗ کا بالکل ہمسر و مساوی، اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود خدا سے قدرت وطاقت میں کسی طرح کم نہیں، اور وہ خدا کے ساتھ ایک ہی پلڑے میں ہیں، قرآن مجید میں جا بجا اس کی شہادتیں موجود ہیں، اس موقع پر سورۂ مؤمنون کی مندرجہ ذیل آیات کافی ہوں گی:

"قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَ مَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ (۲)

کہو! کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو، کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، کہو! پھر تم سوچتے نہیں؟ کہو! کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا؟ بتائیں گے اللہ کو، کہو پھر تم ڈرتے نہیں؟ کہو! کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا؟ بتائیں گے اللہ کو، کہو! کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے؟

ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے، اور ان کی دہائی دیتے، ان پر نذریں چڑھاتے، اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ کے یہاں سفارشی، مشکل کشا اور کارساز سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ کرتے تھے تو گو کہ وہ اس کا اقراری ہو کہ وہ ایک مخلوق اور

---

(۱) ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان، از مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ

(۲) مؤمنون : ۸۴تا۸۹

خدا کا بندہ ہے، اس میں اور زمانۂ جاہلیت کے ایک بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :

''جاننا چاہئے کہ توحید کے چار درجات ہیں :

۱۔ صرف خدا تعالیٰ کو 'واجب الوجود' قرار دینا، لہٰذا کوئی اور واجب الوجود نہیں۔

۲۔ عرش، آسمان و زمین، اور تمام قائم بالذات اشیاء کا خالق صرف خدا کو سمجھنا۔(۱)

یہ دو درجے وہ ہیں جن سے آسمانی کتابوں نے بحث کی ضرورت نہیں سمجھی، اور نہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کو ان کے بارے میں اختلاف و انکار تھا، بلکہ قرآن کریم اس کی صراحت کرتا ہے، (۲) کہ یہ دونوں مرتبے ان کے نزدیک مسلّمات میں سے ہیں۔

۳۔ آسمان و زمین کے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، اس کے انتظام و انصرام کو صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص سمجھنا۔

۴۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کو مستحق عبادت نہ گردانا۔(۳)

یہ دونوں درجے طبعی ربط کی وجہ سے باہم دیگر پیوست اور لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں دونوں درجوں یا قسموں سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے، اور کافروں کے شکوک و شبہات کا شافی و وافی جواب دیا ہے۔''(۴)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کا ہم مرتبہ وہم سر قرار دیا جائے، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو خدا تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور جس کو ''عبودیت'' بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، کسی کے نام پر قربانی کرنا یا نذریں ماننا، مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اور اس کو کائنات

---

(۱) اسی کو توحید الربوبیۃ کہا جاتا ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّماوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ. (الزخرف-۹)

(۳) اس کو توحید الوہیت کہا جاتا ہے۔ (۴) حجۃ اللہ البالغہ، ج/۱ص، ۵۹-۶۰ باختصار

میں متصرف سمجھنا، یہ ساری وہ چیزیں ہیں، جن سے شرک لازم آتا ہے، اور انسان ان سے مشرک ہوجاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان، فرشتہ، یا جن جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہورہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کررہا ہے، نذریں مان رہا ہے، اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے، اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ ہی خالق ہے، اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاء، اولیاء، جن وشیاطین، بھوت پریت، سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک قرار دیا جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود ونصاریٰ کو جنہوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پروہتوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ وغلو کا طریقہ اختیار کیا جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں، انہیں صفات سے یاد کیا ہے جن صفات سے بت پرستوں اور مشرکوں کو یاد کیا ہے، اور ان غالی اور راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب وناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی مشرکوں پر، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ، وَمَآ اُمِرُوْآ اِلَّا لِيَعْبُدُوْآ اِلٰهاً وَاحِداً، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. ۝ (۱)

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریمؑ کو اللہ کے سوا خدا بنالیا، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

شرک کے مظاہر واعمال، اور جاہلی رسم ورواج

اس اصولی اور عام بات کے بعد ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں، بیماری اور اس عالمِ آشوب فتنہ کی ان جڑوں کی نشان دہی کردی جائے جو جاہلوں، خارجی اثرات، اور جاہلی رسم ورواج سے متاثر اقوام وملل، اور ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن کا نشو ونما صحیح اسلامی تعلیمات،

---

(۱) سورۃ التوبۃ ۳۱

کتاب وسنت کے علم، اور دین خالص کی دعوت سے دور، اور صحیح اسلامی تعلیمات سے محروم ماحول میں ہوا، ان کمزوریوں کی نشان دہی، اور جسم بیمار میں ان امراض کی صحیح تشخیص و تعین ضروری ہے۔

ہمہ گیر اور محیط علم، ارادۂ مطلقہ اور آزاد و غیر محدود تصرف اور قدرت کاملہ خدا تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے، اور عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا، کسی کے نام پر اور اس کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھنا، دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شدِّ رحال (طول طویل سفر کر کے جانا) اور اسکے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے، اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں اور منتیں ماننا، شرک کے کام اور شرک کے مظاہر ہیں، تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایت ذلت کی مظہر ہوں، صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، علم غیب صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے، اور اہل وجاہت اور با اثر و اقتدار لوگوں کو راضی و خوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) خدا ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، شاہانِ دنیا کی طرح کائنات کے انتظام، اور درباریوں اور وزراء و اعوان سے مدد لینا خدا کے شایانِ شان نہیں ہے، کسی قسم کا سجدہ سوائے خدا کے، کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک و اعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت و فنائیت کے تمام شعائر، بیت اللہ اور حرم محترم کے ساتھ خاص ہیں، صالحین اور اولیاء کے ساتھ جانوروں کی تخصیص، ان کا احترام کرنا، ان کی نذریں چڑھانا، اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا حرام ہے، عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں (نچھتّروں)، سیّاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے، کاہنوں، نجومیوں، اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جس سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے،

خدا کے علاوہ کسی کی قسم کھانا شرک ہے، غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے، اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا جہاں کوئی بُت تھا، یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا، ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں افراط و تفریط، اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید، اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہیئے۔

نبوت کا بنیادی مقصد اور بعثت کی اہم غرض
عالمگیر مشرکانہ جاہلیت کا استیصال ہے

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبد و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت اور ان کی بعثت کا اولین اور اہم ترین مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہونچانے کی طاقت رکھتا ہے اور صرف وہی عبادت، دعاء، توجہ اور قربانی کا مستحق ہے، انہوں نے ہر دور میں اپنے زمانہ میں جاری و ساری وثنیت پر ضرب کاری لگائی جو مورتیوں، مقدس و صالح، زندہ و مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت و عظمت اور معبودیت کے خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہِ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے، اور بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ڈال دیتا ہے، اس لئے انہیں کی طرف رجوع اور انہیں کو راضی کرنا مفید اور ضروری ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے، (جو پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی، اس سے جنگ کرنا، اس کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہاء اور ان کی جدوجہد کی غایتِ اصلی یہی تھی، یہی ان کی دعوتی سرگرمیوں کا محور و مرکزی نقطہ تھا، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً

کہتا ہے :

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ۝ (۱)

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتداء اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، (۲) اور پہلی بات جو انہوں نے کہی وہ یہی تھی "قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ. (اے میری قوم کے لوگو! خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (۳)

یہی بت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت و مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا و مدد کی طلب، اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر، طویل العمر اور سخت جان "جاہلیت" ہے، جو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہی نوع انسانی کا قدیم ترین و مہلک ترین مرض ہے، جو تاریخ انسانی کے تمام ادوار، تمدن، معاشرت، معیشت و سیاست کے تمام تغیرات اور انقلابات کے باوجود بھی نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو انسانیت کے بلند درجہ سے گرا کر پستی کے عمیق و مہیب غاروں میں اوندھے منہ ڈال دیتا ہے، اور اسی کی تردید قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے :

وَجَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ۝ (۴)

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے، تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔

---

(۱) سورہ انبیاء-۲۵

(۲) سورۂ اعراف میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ کا نام لے لے کر ان کی اس دعوتِ توحید کا (انہیں الفاظ کے ساتھ جو اوپر آئے ہیں) تذکرہ کیا گیا ہے۔ (سورۂ اعراف از رکوع ۸ تا رکوع ۱۲ نیز سورۂ ہود از رکوع ۳ تا رکوع ۸)

(۳) الاعراف-۵۹ (۴) سورۂ زخرف-۲۸

یہ ہرگز جائز نہیں، کہ نئے اصلاحی و دعوتی تقاضوں اور زمانہ کی نئی ضرورتوں کے اثر سے ''شرک جلی'' کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے یا ''سیاسی اطاعت'' اور انسانوں کے وضع کئے ہوئے کسی نظام و قانون کے قبول کرنے کو اور غیر اللہ کی عبادت کو ایک درجہ میں رکھا جائے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ شرک، جاہلیت قدیم کی (جب انسانی ذہن اور علم و تمدن دورِ طفولیت میں تھے) بیماری اور خرابی، اور جہالت کی ایک بھدّی اور بھونڈی شکل تھی، جو انسان غیر ترقی یافتہ اور غیر متمدن دور ہی میں اختیار کر سکتا ہے، اب اس کا دور گزر گیا، انسان بہت ترقی کر چکا ہے، اب اس کا ذہنی انحراف نئی نئی ترقی یافتہ شکلوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے، یہ دعویٰ اور طرزِ فکر، مشاہدہ اور تجربہ اور واقعات کے بھی خلاف ہے، شرک جلی بلکہ کھلی ہوئی بت پرستی آج بھی علانیہ طور پر موجود ہے، اور قوموں کی قومیں، پورے پورے ملک حتیٰ کہ بہت سے مسلمان شرک جلی میں مبتلا ہیں، اور قرآن کا یہ اعلان آج بھی صادق ہے کہ ''وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ'' ○ (۱) (اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے اور اس کے ساتھ شریک بھی ٹھیرائے جاتے ہیں)۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا مستحق تھا کہ اس کے عقیدہ سے صرف نظر کر لیا جائے کیونکہ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے لئے سینہ سپر، اور جان و اہل سے قربان رہا، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب تھے، سیرت نگار بالاتفاق ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سپر اور حصار بنے ہوئے تھے، اور اپنی پوری قوم کے خلاف، آپ کے مُمد و معاون، اور ناصر و حامی تھے، لیکن صحیح روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ابو طالب کی موت کے وقت جب کہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ''اے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، میں اس کلمہ کی خدائے تعالیٰ کے یہاں گواہی دوں گا'' تو ابو جہل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے، ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کرو گے؟ تو ابو طالب نے یہ کہتے ہوئے جان دی کہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں، صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے

---

(۱) سورۂ یوسف-۱۰۶

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ''ابو طالب آپ کی حفاظت اور مدد کرتے تھے، اور آپ کے بارے میں ان کے اندر بڑی حمیت تھی، جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی اور ناراضگی کی مطلق پروانہیں کرتے تھے، تو کیا اس کا فائدہ ان کو پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ''میں نے ان کو آگ کی لپٹوں میں پایا اور معمولی آگ تک نکال لایا۔''(۱)

اسی طرح امام مسلم نے بروایت حضرت عائشہؓ نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں ''میں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا انکے لئے یہ سودمند ہوگا؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں! انکو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ''رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنَ.''(۲) (اے میرے رب! روزِ جزا کو میرے گناہ بخش دیجئے گا۔)

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک دوسری روایت ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے، اور جب مقام حرّۃ الوبرۃ پر پہنچے تو ایک شخص آیا جس کی جرأت اور بہادری مشہورِ زمانہ تھی، اس کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو بڑی مسرت ہوئی، (کہ اس سے لشکرِ اسلام میں جو صرف تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، ایک وقیع اضافہ ہوگا، اس وقت ایک آدمی کی بھی بڑی قیمت تھی، چہ جائے کہ ایک آزمودہ کار سپاہی۔) جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ چلوں، اور مال غنیمت میں شریک ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ، اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہ کچھ دور چلا یہاں تک کہ ہم لوگ جب مقام شجرہ پر تھے، وہ پھر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے وہی پہلی بات عرض کی، آپ نے وہی پہلا جواب دیا، فرمایا جاؤ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، وہ چلا گیا، اور بیداء پہنچنے پر پھر آیا، آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو چلو۔''(۳)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ (۲) ایضاً

(۳) صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ انبیاء کرامؑ کی دعوت، ان کی جدو جہد، اور ان کی مقدس کوششوں کی ایک طرح کی تحقیر و ناقدری، اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتابِ ہدایت ہے) کی ابدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہے، اور اس ایمان واعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنیٰ، کہ انبیاء کرام کا طریقِ کار ہی بہترین طریقۂ کار ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ خدا کی تائید وتوفیق، کامیابی وکامرانی، قبولیت ورحمت کا ایسا فیصلہ اور معاملہ ہے، جو کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کے لئے نہیں۔

توحید کی دعوت اور اس کے تقاضے

انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے بندوں کا قوی ترین اور قریب تر تعلق اور وابستگی پیدا کریں:

"وَمَا أُمِرُوْا إِلاَّ لِيَعْبُدُوْا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ. (۱)

ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی، سب سے کٹ کر اور یکسو ہو کر ابراہیم حنیف کی راہ پر۔

اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حجاب اور روک نہ رہے، الفت وانس، محبت وعشق، محویت وشغل، قصد وعمل، سعی وجہد، رجوع وانابت، اطاعت وعبادت، التجا وتضرع، سرگوشی ومناجات، خوف وطمع، غرض قلب ودماغ سب کا قبلہ اسی کی ذات ہو، انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین برحق کی تمام مساعی کا مرکز اور سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے، اسی کے لئے ان کا جہاد ہے، ان کی ہجرت ہے، ان کی تبلیغ ہے اور اسی راہ میں ان کی زندگی اور موت ہے:

قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○
لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (۲)

بے شک میری نماز اور حج وقربانی اور میری زندگی وموت، سب اللہ کے لئے ہے، جو سارے عالموں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کا مجھ کو حکم ہے اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔

---

(۱) البینۃ-۵۔ (۲) انعام-۱۶۲/۱۶۳۔

اور اس مقصد میں باذن اللہ تعالیٰ وہ اپنے حلقہ اور متبعین کی جماعت میں پورے طور پر کامیاب ہوتے ہیں، وہ دلوں اور دماغوں کو غیر اللہ کی مشغولیت اور گرفتاری سے اور جسموں کو غیر اللہ کی حکومت و قانون سے آزاد کر دیتے ہیں، لیکن جاہلی اثرات وقتاً فوقتاً اس کے خلاف بغاوت کرتے رہتے ہیں اور شرک انسانوں میں دب دب کر ابھرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ خود ان کے نام لینے والوں اور ان کی امت اور متبعین کہلانے والوں کا حال وہ ہو جاتا ہے، جو قرآن نے بیان کیا ہے :

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ○ (۱)

بہت لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر یہ کہ ساتھ ہی ساتھ شرک بھی کئے جاتے ہیں۔

رفتہ رفتہ اللہ سے بے تعلقی اور غیر اللہ سے تعلق اتنا بڑھ جاتا ہے، کہ عملاً وہ کیفیت ہو جاتی ہے، جو قرآن نے بیان کی ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (۲)

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بنا لیتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ سے۔

غیر اللہ سے دلچسپی ایسی بڑھ جاتی ہے کہ :

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ، وَ إِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (۳)

جب نام لیجئے اللہ کا، رک جاتے ہیں ان کے دل جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا، تو وہ کھل جاتے ہیں اور بہت مسرور ہوتے ہیں۔

پھر اس عقیدہ کے ماتحت غیر اللہ کے نام پر وہ تمام اعمال کئے جاتے ہیں جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً ذبح، نذر، سجود، دعا وغیرہ، اور رفتہ رفتہ زندگی کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ کر غیر اللہ سے بندھ جاتا ہے، قلب کی جہت بدل جاتی ہے، انبیاء کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا

---

(۱) یوسف : ۱۰۶ (۲) بقرہ-۱۶۵۔

(۳) زمر-۴۵

ہے اور اسلام پر جاہلیت غالب آجاتی ہے۔

ہر زمانہ کے مجدّدِ دین و مصلحین اور علماءِ حق نے اس صورت حال کے خلاف جہاد کیا۔ علماءِ حق حضراتِ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے وارث اور جانشین ہیں "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" (۱) ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی، جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا، جو انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا، وہ مقصدِ زندگی اور وہ مرکزِ سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں "اقامتِ دین" یا ایک لفظ میں "توحید"۔

یعنی انسانوں کو اختیاراً و عملاً اس طرح سے اللہ کا "عبد" بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اور اضطراراً اس کے عبد ہیں، اللہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا جیسا کہ وہ زمین و آسمان پر قائم ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، پس میری ہی بندگی کرو۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (۳)

وہ جس نے اپنا رسول رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں (تمام قسم کے نظامِ طاعت) پر غالب کرے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ ناگوار ہو۔

اِس دینِ حق کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں جن میں سے اکثر ان چار اقسام میں داخل ہیں۔

شِـرك : یعنی غیر اللہ کو الٰہ بنانا، اللہ کے سوا کسی ہستی کو مافوق الطبیعی طور پر ضارّ اور نافع بنالینا، اس کو کائنات میں متصرّف اور مؤثر تسلیم کرلینا۔

---

(۱) صحیح بخاری (۲) انبیاء -۲۵

(۳) صف :۹

احتیاج و التجا : (پناہ جوئی) اور خوف ورجا اس عقیدہ کے بالکل قدرتی اور طبعی نتائج ولوازم ہیں اور دعا واستعانت اور خضوع (جو عبادت کی حقیقت ہے) اس کے لازمی مظاہر ہیں۔

شرک ایک مستقل دین اور مکمل حکومت ہے، اس کا اور دین کا کسی ایک جسم یا دل و دماغ یا خطۂ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے، یہ غیر الٰہی دین اور جسم ونفس سے خارج اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو کم سے کم درکار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ. (۱)

بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی،

قَالُوْا تَاللهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲)

مشرکین نے کہا، خدا کی قسم ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جو تم (معبودوں کو) سارے جہانوں کے پروردگار کے برابر کرتے تھے۔

اس لئے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں اس وقت تک دین اللہ کا پودا لگ نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو، اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اُسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا. (۳)

تم نے دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال بیان کی، پاکیزہ بات (کلمہ طیّبہ وغیرہ)

---

(۱) بقرہ :-۱۶۵ (۲) شعراء : ۹۷/۹۸

(۳) ابراہیم :۲۴/۲۵

ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایہ میں نہیں بڑھ سکتا، یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا، اس کے طبعی نشو ونما کے لئے لامتناہی فضا چاہئے۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ۔(۱)   یاد رکھو، اللہ ہی کی تنہا تابعداری ہے۔

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چُن چُن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک ایک بیج چُن چُن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے، اور چاہے ان کو اس کوشش اور عمر بھر کی اس جدّ وجہد کا حاصل حضرت نوح علیہ السّلام کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو، لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت سے کام نہیں لیتے۔

کُفر : یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار۔ یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی ہے، خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ و رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں، اس دائرہ سے (یعنی کفر کے دائرہ سے) خارج نہیں، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ. فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (۲)

---

(۱) زمر :۳   (۲) البقرہ :۸۵

کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ کو مانتے ہو دوسرے حصّے کو نہیں مانتے، تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے؟ سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے، طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔

لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انہوں نے اس قبلہ کی طرف منہ تو کرلیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی۔

دینِ الٰہی کے مقابلے میں دنیا میں جو نظامِ حاکمیت قائم اور شریعت الٰہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں، ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے، ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت (۱) ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى. (۲)

جو سرکش کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان تسلیم نہیں کیا، جو غیر الٰہی قوانین، ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کیطرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حکم اور ثالث بناتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

---

(۱) ”طاغوت“ ہر وہ ہستی جس کی خدا تعالیٰ کے مقابلے میں اطاعتِ مطلق کی جائے (الطاغوت عبارة عن كلّ متعبّد كل معبودٍ من دون الله) (امام راغب اصفهانی) خواہ وہ شیطان ہو یا انسان یا سُلطان۔

(۲) بقرہ : ۲۶۵

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (۱)

تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو حق آپ پر اور آپ سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں سرکش کی طرف، حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔

اس کُفر کی بُو اُن اشخاص سے بھی نہیں نکلی جو مسلمان کے دائرے میں آجانے کے بعد بھی "جاہلیت" سے منحرف اور عقائد و رسوم جاہلیّت سے بے خبر نہ ہو سکے، ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی جن کو جاہلیت بُرا سمجھتی ہے، ان سے نفرت اور تحقیر کرتی ہے، خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں اور اللہ کے رسول کی محبوب سنّت ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں سے ابھی تک ان اعمال واخلاق اور رسوم وعادات کی محبت اور عزت دور نہیں ہوئی جو اہلِ جاہلیت کے نزدیک محبوب و معزز ہیں، خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ و حقیر ہوں۔

اسی طرح جن کے دلوں سے ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دور نہیں ہوئی اور ان کا عمل جاہلیتِ عرب اور درحقیقت ہر جاہلیت کے اس مقبول و مسلم اصول پر ہے کہ :

انصر اخاک ظالماً اَوْ مظلُوماً. "اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم"۔

اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حُسن و قبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے، اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے، زندگی کی انہی قدروں اور انہی معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام

---

(۱) نساء : ٦٠

متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصوّر سے آدمی کو تکلیف ہو، اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلہ میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو، بخاری کی حدیث ہے :

"ثلٰث من کن فیه وَجَدَ حلاوة الإیمان، أن یکون الله و رسوله أحب إلیه ممّا سواهما و أن یحب المرءَ لا یُحبّهُ إلّا لله وَ أن یکره أن یعود في الکفر کما یکره أن یقذف فِي النّار."(۱)

تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو، تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

صحابہ کرامؓ کی یہی کیفیت تھی، ان کو اپنے زمانہ سابق (جاہلیت) سے شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی، ان کے نزدیک جاہلیت سے بڑھ کر کوئی توہین نہ تھی، وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ، اس زمانہ کی تمام باتوں، اعمال واخلاق اور کفر وفسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی، اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۝ (۲)

لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو کھبا دیا تمہارے دل میں، اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کا حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریقے کا نام لیا جائے اور اللہ ورسول کے مقابلے میں گذشتہ زمانہ اور پُرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

---

(۱) متفق علیہ۔ (۲) حجرات : ۷

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ، قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآئَنَا، اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ (۱)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس راستہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اگر چہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (۲)

بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر ٹھیک چل رہے ہیں۔

اللہ کے حکم اور وحی کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش و مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآئُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا. (۳)

انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے ہیں۔

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے جو اللہ کے مقابلے میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے اور جنھوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا، یہ مکمل دستبرداری اور تسلیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ، قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۴)

---

(۱) بقرہ : ۱۷۰ (۲) زخرف : ۲۲

(۳) ہود : ۸۷ (۴) البقرہ : ۱۳۱

جب (ابراہیم علیہ السلام سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے ہو جاؤ اور اس کی مکمل تابعداری کرو، انہوں نے کہا میں نے اپنے رب تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالے کر دیا۔

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا. (۱)

تمہارا معبود، حاکم ایک ہی معبود حاکم ہے، پس اسی کے حوالے ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے، اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ نے "سِلم" کہا ہے یعنی یہ اللہ سے صلح ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (۲)

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ صُلح و اسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا کھُلا دشمن ہے۔

یاد رہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثتِ نبوی کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے، بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے، جس کا ماخذ وحی و نبوت اور کتابِ الٰہی و سنتِ انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسائل و احکامِ زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو، خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو یا ایران کی مزدکیّت یا ہندوستان کی برہمنیّت یا مصر کی فرعونیّت یا ترکوں کی طورانیت یا موجودہ مغربی تمدن یا مسلمان قوم کی شرعی زندگی اور ان کے مخالف شریعت رسوم و عادات، اخلاق و آداب اور میلانات اور جذبات، خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، ماضی ہو یا حال۔

کُفر ایک سلبی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک ایجابی و مثبت چیز بھی ہے، وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے، جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لئے یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں

---

(۱) حج : ۳۴ (۲) بقرہ : ۲۰۸

ہوسکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہوسکتا۔

انبیاء کرام کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں، وہ کفر کے ساتھ کسی رواداری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے، کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے، اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دور رس اور باریک بین ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت عطا فرماتا ہے، ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں، دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انہوں نے قائم کیں، ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں، ان کی حفاظت کی جائے، اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے کہ جتنا یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذاہب مسخ ہو چکے ہیں۔

انبیاء کرام کے جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست اور عزیمت رکھتے ہیں، وہ کفر یا کفر کی محبت یا اس کی اعانت، جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو، وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں، ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی، وہ کفر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشی
من اندازِ قدت را می شناسم

ان کے زمانے کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و صلح کل جو دیر و حرم، کعبہ و بت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں، ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہِ شہر، محتسب واعظ اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانہ میں انہی لوگوں نے کی ہے۔

اور آج اسلام یہودیت، عیسائیت اور ہندومت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے، وہ انہی کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے۔

دعوتِ توحید ہندوستان میں

ہندوستان میں جہاں اسلام کی بنیاد مختلف تاریخی اسباب کی بنا پر ہمیشہ سے کمزور ہے اور جو دنیا کے چند بڑے مشرکانہ مذاہب واقوام کا مرکز و وطن ہے، اسلام کا چشمۂ صافی زیادہ مکدر ہونے لگا تھا اور اندیشہ تھا کہ یہ چشمۂ حیوان اس برّ ظلمات میں اس طرح گم ہو جائے کہ کسی خضرِ طریق کو بھی اس کا نشان نہ ملے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

مجدد الف ثانیؒ نے جب اپنا سفرِ تجدید شروع کیا تو انبیاء کے کارِ نبوت کی عین ترتیب کے مطابق پہلا قدم یہیں سے اٹھایا، جہانگیر کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار آپ کی تاریخِ تجدید کا روشن عنوان ہے، اپنے مکاتیب میں نہایت واضح اور جامع، جچے تلے الفاظ میں توحید کی تشریح فرمائی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے تنہا مستحق عبادت ہونے کے دلائل بیان کئے جو آپ کے رسوخ فی العلم کا نمونہ ہیں، شرک کے مراسم و مظاہر کی تردید فرمائی، رسوم جاہلیت، اعمال مشرکانہ، تقلید کفار سے اپنے متبعین و معتقدین کو سختی سے منع کیا کہ تجدید کا کام اس کے بغیر شروع ہی نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ مکمل ہو۔

بالخصوص طریقت کا حاصل و مقصود اور تصوف کا خلاصہ و مطلوب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ سے ایسا تعلق و ارتباط پیدا ہو جس میں کبھی کوئی فرق ہی نہ ہو، ایسی حضوری جس میں کبھی غیبت اور ایسی یکسوئی جس میں کوئی کشمکش نہ ہو، یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آفاق وانفس کی تمام اشیاء کے متعلق نفع وضرر، قدرت واختیار کا خیال زائل نہ ہو جائے، اور قلب و دماغ ان کی محبت و عظمت اور ان سے خوف و طمع رکھنے سے کامل طور پر آزاد نہ ہو جائیں، اور وہ کسی معنی میں بھی مقصود و مطلوب، مرغوب و مرھوب، اور معظم و محبوب اور بالاختصار الٰہ و معبود نہ رہیں، یہی مقام اخلاص ہے جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشین رہنمائی فرماتے ہیں، مجدد صاحبؒ نے مکتوبات میں جابجا اس کی دعوت دی ہے اور اس کی وضاحت فرمائی ہے :

”مخدوما! بعد از طے منازل سلوک وقطع مقامات جذبہ معلوم شد کہ مقصود ازیں سیر و

سلوک تحصیل مقام اخلاص است کہ مربوط بفنائے آلہہ آفاقی وانفسی است۔(۱)"

مخدوم من! سلوک کی منزلوں کو طے کرنے اور جذبہ کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر وسلوک کا مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے، جو وابستہ ہے آفاقی و انفسی معبودوں کے فنا کے ساتھ۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :

"رأس امراض باطنیہ ورئیس عقل معنویہ گرفتاری قلب است بما دون حق سبحانہ و تعالیٰ، وتا ازیں گرفتاری بتمام آزادی میسر نشود سلامتی محال است چہ شرکت را در آں حضرت جل سلطانہ بار نیست "ألا لله الدين الخالص" فلیف کہ شریک را غالب ساختہ باشد، نہایت بے حیائی است محبت غیر حق را سبحانہ بر نہجے غالب ساختن کہ محبت او تعالیٰ در جنب آں معدوم گردد یا مغلوب، "الحياء شعبة من الإيمان".

باطنی بیماریوں کی جڑ اور معنوی امراض کی اصل قلب ماسویٰ اللہ کے ساتھ گرفتاری اور مشغولی ہے، جب اس گرفتاری سے مکمل طور پر آزادی میسر نہ آئے سلامتی محال ہے۔ کیونکہ اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ اور حضور میں کسی کی شرکت کی کسی طرح گنجائش نہیں قرآن کی آیت ہے "خالص پرستش واطاعت اللہ ہی کا حق ہے" چہ جائے کہ شریک کو غالب بنالیں بڑی بے حیائی ہے کہ غیر اللہ کی محبت کو اس درجہ غالب بنالیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے پہلو میں معدوم یا مغلوب ہو جائے۔

توحید کی چند حکیمانہ مثالیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ نے جن کی ولایت وبزرگی پر مسلمانوں کے تمام حلقے، علاقے اور عامۃ المسلمین متفق ہیں، ایک بڑی حکیمانہ مثال سے توحید کی وضاحت کی ہے، اور جو لوگ مصائب کو دور کرنے یا کسی طرح کا نفع حاصل کرنے کی خاطر غیر اللہ کا سہارا لیتے ہیں، ان کی حماقت اور بے وقوفی کا نقشہ کھینچ دیا ہے، فرماتے ہیں :

"تمام مخلوق کو ایک ایسا آدمی سمجھو جس کے ہاتھ، ایک نہایت عظیم ووسیع مملکت کے

---

(۱) مکتوبات نمبر ۱/۴۰ بنام شیخ محمد خیری۔

بادشاہ نے جس کی فرمانروائی عظیم ہے، اس کا غلبہ اور طاقت ناقابل قیاس ہے، باندھ دئے ہوں، پھر اس بادشاہ نے اس آدمی کے گلے میں پھندا ڈال دیا ہے، اور اس کے پیر بھی باندھ دئے، اس کے بعد صنوبر کے ایک ایسے درخت پر لٹکا یا ہے جو ایسی ندی کے کنارے ہے جس کی موجیں زبردست، چوڑائی بہت، گہرائی بے پناہ، اور جس کا بہاؤ نہایت تیز وتند ہے، اس کے بعد بادشاہ خود ایک ایسی کرسی پر بیٹھ گیا ہے جو بڑی شاندار اور بہت بلند ہے، اتنی کہ اس تک پہونچنے کا ارادہ کرنا اور پہنچنا محال ہے، اس بادشاہ نے اپنے پہلو میں تیروں، نیزوں، برچھوں، بھالوں اور دیگر قسم قسم کے ہتھیار اور اوزاروں کا اتنا بڑا ذخیرہ رکھ لیا ہے۔ کہ اس کی مقدار کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اب جو شخص اس منظر کو دیکھے کیا اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ بادشاہ کی طرف دیکھنے کے بجائے، اس سے ڈرنے اور امید لگانے کے بجائے، اس سولی پر لٹکے ہوئے شخص سے ڈرے اور اس سے امید لگائے، جو شخص ایسا کرے گا کیا وہ ہر ذی عقل کے نزدیک بے عقل، مجنوں اور انسان کے بجائے جانور کہلانے کا مستحق نہیں۔"

حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی، اپنی مخلوق پر اختیار کلی اور تصرف مطلق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اپنی مرضی پر چلاتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ کچھ پوچھ سکے، زبانیں کٹی ہوئی، منھ بند۔ ایک مکتوب میں اپنے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں، اور اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دل کانپ اٹھتا اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

"وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسے کسی کی ہلاکت و نجات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، دیکھو! ایک انسان کس طرح پیاس سے تڑپ تڑپ کر دم توڑتا ہے اور کہتا ہے، میرے نیچے نہریں جاری ہیں اور میں پیاس سے مر رہا ہوں، پانی کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوتا، ہاتف غیب اس کو آواز دیتا ہے اور کہتا ہے، میں ہزاروں صدّیقین کو تاریک وخوفناک جنگل اور خشک وچٹیل صحراء میں لاتا ہوں اور سب کو قتل کر دیتا ہوں تاکہ ان کی آنکھوں اور گالوں کو کوّوں اور گدّھوں کا رزق بناؤں، جب کوئی بولنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر مہر لگا دیتا ہوں اور کہتا ہوں، وہ جو چاہتا ہے کرے، کوئی کچھ پوچھ نہیں سکتا، یہ پرندے بھی میرے ہیں اور صدّیقین

بھی میرے ہیں، بیچ میں بولنے والا (فضولی) کون ہے؟ جو ہمارے عمل پر تنقید کرتا ہے۔"

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ

حضرت میر سید علی ہمدانی کو، ختلان (۱) سے کون سی چیز کھینچ کر کشمیر لائی؟ کیا اس حسین وادی کا حسن کھینچ کر لایا؟ کیا سلسلۂ ہمالیہ کی چوٹیوں کی بلندی اور وادیوں کی شادابی کھینچ کر لائی؟ وہ جس خطہ سے آئے تھے وہ بھی حسین خطہ تھا، پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا، پھر کیا چیز ہے جو ان کو یہاں لائی؟

میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کونسی چیز تھی جو ان کو کھینچ کر لائی؟ وہ ایک غیرت تھی، جس کو اپنے محبوب سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس کی ذات و صفات کی زیادہ معرفت ہوتی ہے، اور اس کے محاسن و کمالات پر زیادہ یقین ہوتا ہے، اس میں اتنی ہی اپنے محبوب کے بارے میں غیرت ہوتی ہے، ایک ناواقف آدمی لعل و جواہر کو اینٹ پتھر کی طرح ڈال دیتا ہے، قیمتی ہیرے کو ناواقفی سے توڑ دیتا ہے، لیکن جوہری کو دیکھئے کہ وہ کس طرح ایک ایک پھول پر قربان ہوتا ہے، اور اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس پر کوئی شکن آئے، بلبل سے پوچھئے گل کے متعلق، پروانوں سے پوچھئے شمع کے متعلق، عاشق سے پوچھئے معشوق کے متعلق، اور خدا کے پیغمبروں اور اس کے عارفوں سے پوچھئے توحید کے متعلق۔

توحید کا سرچشمہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے سب سے بڑے امین اور اس کے سب سے بڑے مبلغ و داعی اور اس کے عارف و حقیقت شناس تھے، صدیوں سے انہی کی لائی ہوئی دولت ہے، جو اب تک بٹ رہی ہے اور قیامت تک بٹتی رہے گی، ہمارے اور آپ کے دامن میں بھی خدا کے فضل سے وہی دولت موجود ہے، آنحضرت (روحی فداہ) سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے، سب سے زیادہ للہ کو پہنچاننے والے، سب سے زیادہ اللہ کو چاہنے والے، سب سے زیادہ اللہ پر قربان ہونے والے تھے، اس لئے آپ کی غیرت کا بھی یہ حال تھا کہ ایک شخص نے صرف یہ کہہ دیا کہ :

---

(۱) ختلان ماوراء النہر کے علاقہ میں سمرقند کے قریب شہروں کا ایک مجموعہ ہے، جو دریائے "جیحون" کے بالائی حصہ پر واقع ہے۔

من يطع الله و رسوله فقد رشد و من يعصهما فقد غوىٰ.

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

آپ اس کو برداشت نہیں کر سکے، اور آپ سے سنا نہ گیا، فرمایا: "**بئس الخطیب أنت، قل و من یعص الله و رسولهٗ**"(۱) (تمہیں بات کرنے کا سلیقہ نہیں (الگ الگ یوں کہو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔) ایسے ہی ایک شخص نے کہا **ماشاء الله و شئت** (اگر اللہ اور آپ چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا۔) آپ نے فرمایا: **جعلتني والله عدلاً، بل ماشاء الله وحدهٗ.** (تم نے مجھے خدا کا ہمسر بنا دیا؟ نہیں "**ماشاء الله وحده،** (جو تنہا خدا چاہے)۔

یہ ہے غیرت کا عالم، ایک عاشق صادق کو جتنی محبت ہوتی ہے، اتنی ہی غیرت ہوتی ہے، غیرت تابع ہے محبت کے، غیرت تابع ہے علم کے، غیرت تابع ہے خلوص کے۔

سید علی ہمدانیؒ کی غیرت

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ عارف باللہ تھے، ولی کامل تھے، عاشق خدا تھے، عاشق رسول تھے، خدا شناس، دین کے مزاج آشنا اور نبّاض تھے، اس لئے آپ کو دین کے بارے میں غیرت بھی ایسی تھی کہ لاکھوں، کروڑوں آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی، انہوں نے سنا کہ کشمیر ایک طویل و عریض وادی ہے، وہاں کے لوگ خدا سے نا آشنا ہیں، وہاں خدا کی ذات کے سوا، خالق کائنات کے سوا، وحدہٗ لا شریک کے سوا بہت سی چیزیں پوجی جارہی ہیں، اصنام کی پرستش ہوتی ہے، کچھ چیزیں زمین کے اندر ہیں، کچھ زمین کے اوپر ہیں، کچھ کھڑی ہیں، کچھ لیٹی ہیں، لوگوں نے جس میں ذرا سی طاقت دیکھی، نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت دیکھی، کوئی خصوصی امتیاز دیکھا، ذرا سا حسن و جمال دیکھا، اسی کے سامنے جھک گئے، میرا خیال ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آتے تو شاید خدا اور اس کا رسول ان کا دامن گیر نہ ہوتا، اس لئے کہ وہ جہاں رہتے تھے، وہاں سے لے کر اس وادیٔ کشمیر تک بڑے

---

(۱) ابوداؤد باب الأدب

بڑے دین کے روحانی مراکز تھے، ہمالیہ کے دامن میں پورا ہندوستان پڑا ہوا تھا، جہاں ہزاروں عالم، سیکڑوں مدرسے اور خانقاہیں تھیں، لیکن عالی ہمت یہ نہیں دیکھتے کہ تنہا ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ اس فریضہ کو اپنا ذاتی فریضہ سمجھ لیتے ہیں، ہزار کوئی ان کو روکے، ان کے راستہ پر ہزار کوئی رکاوٹیں کھڑی کردے، پہاڑ ان کے راستہ میں حائل ہوں، دریا سدِّ راہ ہوں، وہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے، گویا کوئی آسمانی آواز تھی، جو انہوں نے سنی کہ سید! کشمیر جاؤ اور وہاں توحید پھیلاؤ۔

سید علی ہمدانیؒ نے صاف محسوس کیا کہ میں عند اللہ جواب دہ ہوں، میدانِ حشر سامنے ہے، عرشِ خداوندی موجود ہے، اس کے سایۂ رحمت میں انبیاء و اولیاء کھڑے ہیں، اور وہاں سے سوال ہوتا ہے کہ سید علی! تم کو علم تھا کہ میری پیدا کی ہوئی زمین کے ایک خطّہ میں غیر اللہ کی پرستش ہو رہی ہے، غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کئے جا رہے ہیں، دامنِ مراد پھیلائے جا رہے ہیں، تم نے اس کو کیسے برداشت کیا؟ میر سید علی ہمدانی کے سامنے تو یہ منظر تھا، اگر ساری دنیا کے علماء و حکماء جمع ہو کر سمجھاتے کہ حضرت! آپ سے سوال نہیں ہوگا، لیکن وہ کہتے کہ نہیں! مجھ ہی سے یہ سوال ہوگا، میری غیرت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اللہ کی لمبی چوڑی زمین کے ایک چھوٹے سے خِطہ میں بھی غیر اللہ کی پرستش ہو، غیر اللہ سے خوف و رجاء کا معاملہ ہو، انسانوں کو (خواہ زندہ ہوں، خواہ مردہ) قسمت کا بنانے اور بگاڑ والا سمجھا جاتا ہو، اولاد اور رزق دینے والا باور کیا جاتا ہو، ان کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر جانتے ہوں، اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ قطب شمالی میں یا قطب جنوبی میں یا ہمالہ کی بلند و سبز چوٹی پر ایک متنفس بھی ایسا ہے، جو غیر اللہ کی پرستش کر رہا ہے، غیر اللہ کو نافع و ضارّ سمجھتا ہے، غیر اللہ کو اس کائنات پر حکومت کرنے والا سمجھتا ہے، تو میرا فرض ہے کہ میں وہاں پہنچوں اور اللہ کا پیغام پہنچاؤں۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

یاد رکھو! اللہ فرماتا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (۱) اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اور اسی کا کام ہے، حُکم چلانا۔ ایسا نہیں کہ پیدا تو اس نے کیا مگر حُکم کسی اور کا چل رہا ہے، اس نے اپنی سلطنت کسی

---

(۱) الاعراف : ۵۴

اور کے حوالہ کر رکھی ہے، کہ ہم نے پیدا کر دیا، تم حکومت کرو، خالق بھی وہی ہے، حاکم اور منتظم (ایڈمنسٹریٹر) بھی وہی ہے، ایسا نہیں ہے کہ جیسے تاج محل کو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا، ترکستان وغیرہ سے معمار بلائے، صناعوں نے کاری گری دکھائی، وہ آئے اور چلے گئے، اب تاج محل پر جس کا جی چاہے راج کرے، حکومت کرے، تخت بچھائے، توڑے، بنائے۔

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے، یہ دنیا قطب مینار نہیں ہے، یہ دنیا کوئی آثار قدیمہ کا عجائب خانہ نہیں ہے، یہ خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ہے، سارا نظام اس کی مٹھی میں ہے، اس کے دست قدرت میں ہے، ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی یہاں کا اس نے دوسرے کے حوالہ نہیں کیا ہے، "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ" (اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان وزمین سب پر حاوی ہے) اس کا تخت سلطنت پوری کائنات پر حاوی ہے، اس پورے کرۂ ارض پر حاوی ہے، یہ زمین کا ایک سیارہ کیا ہے؟ سارے سیّارے، ساری کہکشاں، سارا نظامِ شمسی، سارا نظامِ فلکی، یہ سب کے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔(۱)

اس غیرت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کا وقتِ آخر قریب آیا تو آپ نے خاندان کے سب افراد، بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کیا، اور کہا کہ عزیزو! میرے جگر گوشو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک مجھے یہ اطمینان نہ دلا دو گے کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد کس کی عبادت اور پرستش کرو گے؟ ان لوگوں نے خم ٹھونک کر کے کہا کہ آپ اندیشہ نہ فرمائیں، ہم آپ ہی کے معبود برحق اور آپ کے باپ دادا، ابراھیم و اسماعیل واسحاق علیہم السلام کے معبود وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهاً وَّاحِداً وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (۲)

انہوں نے کہا آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم واسماعیل اور

---

(۱) خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنی مشہور نظم "مسدس حالی" میں خوب کہا ہے۔

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں — مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاں دار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرستش ہے رھبان و احبار کی واں — نہ پرواہ ہے ابرار و احرار کی واں

(۲) بقرہ : ۱۳۳

اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

ابا جان، دادا جان، نانا جان! آپ کیوں ہم سے یہ سوال کر رہے ہیں؟ آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے؟ آپ اطمینان رکھئے، آپ نے بچپن سے جس طرح ہماری تربیت فرمائی ہے اور دل کی نرم سرزمین میں توحید کا پاک بیج بویا ہے، اس سے ہم ہٹ نہیں سکتے، ہم آپ کے معبود برحق، خدائے واحد ہی کی پرستش کریں گے، جس کی ابراھیم و اسماعیل و اسحاق پرستش کرتے تھے، اس وقت ان کو اطمینان ہوا اور دنیا سے خوش خوش رخصت ہوئے، یہ اولیائے عظام، داعیانِ اسلام، بزرگانِ کرام، انہی پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں، یعقوب علیہ السلام کو کھٹکا اسی بات کا تھا کہ میری اولاد شرک کے جنجال میں اسی طرح نہ پھنس جائے، جیسے ہزاروں خاندان اور سیکڑوں قومیں (اپنے بانیوں اور داعیوں کے بعد) پھنس گئیں۔

یہی پیغام ہے، جو خدا کا ہر پیغمبر لے کر آیا، خدا کے ولیوں نے دنیا کو سنایا اور مصلحین و مجددین نے ہر دور کے لوگوں تک پہنچایا، فتح و کامیابی کی شرط یہی ہے، عزت و طاقت کی شرط یہی ہے، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، اسی سے دل لگائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ○ (۱)

جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت نصیب ہوگی، اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدل دیا کرتے ہیں۔

ممکن ہے، لوگ یہ کہتے کہ ہم نے گوسالہ پرستی کب کی؟ اس سے ہزار بار توبہ، ایسی احمقانہ اور شنیع حرکت ہم کب کر سکتے تھے؟ تو اللہ نے اپنی اس آخری کتاب میں اس کا جواب دیا اور یہ کہہ کر کہ ہم اسی طرح بہتان باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں، تمام مشرکانہ عقائد و اعمال کو شامل فرمالیا کہ مشرک کی بنیاد ہمیشہ من گھڑت قصے کہانیوں اور بے اصل و بے تحقیق

(۱) اعراف: ۱۵۲۔

باتوں پر ہوتی ہے اور وہ دونوں توأم (جڑواں بچوں کی طرح) ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ شرک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ (۱)

بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

شرک کو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ''افترائے عظیم'' کا لقب دیا ہے، فرماتا ہے :

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا ۝ (۲)

اور جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔

عقیدۂ توحید مسلمانوں کا بین الاقوامی شعار

توحید مسلمانوں کی تہذیب کا بین الاقوامی شعار اور علامت ہے، جو عقائد سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے لے کر تقریبات تک ہر جگہ نمایاں نظر آئے گا، ان کی مسجدوں کے مینارے پانچ مرتبہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں، ان کے مکانات اور نگار خانوں کو بھی اسلامی اصول کے مطابق بت پرستی اور شرک کے شعار سے محفوظ ہونا چاہئے، تصاویر، اسٹیچو، مورتیاں ان کے لئے ناجائز ہیں، یہاں تک کہ بچوں کے کھلونوں میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے، دینی تقریبات ہوں یا ملکی جشن مسرت، سیاسی رہنماؤں کا یوم ولادت ہو یا مذہبی پیشواؤں کا جنم دن یا پرچم کشائی کی تقریب، تصاویر اور مجسموں کے سامنے جھکنا، ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونا، یا ان کو ہار پھول پہنانا مسلمان کے لئے ممنوع اور اس کی موحدانہ تہذیب کے خلاف ہے، اور جہاں کہیں مسلمان اپنی اسلامی تہذیب پر قائم اور اس پر کاربند ہوں گے، وہ اس فعل سے محترز اور علاحدہ ہوں گے، ناموں میں، تقریبات میں، قسم میں، بزرگوں کی تعظیم واحترام اور اظہار نیازمندی میں، مجازی توحید کے حدود سے تجاوز اور کسی قوم کی تقلید، اسلام سے انحراف کے مرادف ہے۔

توحید طاقت کا سرچشمہ

غرض جس کا دل توحید سے آشنا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ کرے گا،

---

(۱) حج : ۳۰ (۲) نساء : ۴۸

مصیبت میں اسی کو پکارے گا اور آسودگی وخوشحالی میں اسی کا شکر بھیجے گا اور نیاز و تذلل اور عبدیت وسرافگندگی کا تعلق اللہ کے سوا اور کسی سے نہ رکھے گا۔

اس میں اگر کمی ہوتی ہے تو اللہ کی نصرت میں کمی ہوتی ہے، اور قرآن مجید میں صاف صاف اشارے ہیں کہ جس امت کی توحید میں فرق آیا، اس کی طاقت میں فرق آگیا، طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ اور منبع عقیدۂ توحید ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً، وَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ وَ بِئْسَ مَثْوىٰ الظَّالِمِينَ○ (۱)

اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے۔

اور

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ○ (۲)

بے شک جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب اور دنیا کی زندگی میں ذلت پہنچے گی اور ہم بہتان باندھنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

شرک ضعف کا سبب ہے، ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا "سنة الله في الذين خلوا من قبل" اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں خاصیتیں پیدا کی ہیں، زہر میں ایک خاصیت ہے، تریاق میں ایک خاصیت ہے، پانی میں ایک خاصیت ہے، آگ میں ایک خاصیت ہے، اسی طرح شرک میں کمزوری کی خاصیت ہے، اور توحید میں طاقت اور بے خوفی اور بے رعبی کی خاصیت ہے، اسی لئے سب سے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ عقائد کی تصحیح ہو، خدا کے ساتھ ابراہیمی، محمدی، قرآنی تعلیم کے مطابق توحید کا رشتہ استوار ہو، اس رشتہ کو پھر استحکام کی

(۱) آل عمران : ۱۵۱ (۲) اعراف : ۱۵۲

ضرورت ہے، اس لئے کہ شیطان ہمیشہ تاک میں رہتا ہے، وہ ہمیشہ چھاپا مارتا رہتا ہے، اور چور وہیں جاتا ہے جہاں دولت ہوتی ہے، جس کے پاس توحید کی، ایمان کی دولت ہے، اس کے لئے خطرہ ہے، ان کے لئے خطرہ میں نہیں بتاتا جن کے پاس سرے سے یہ نعمت نہیں۔

انسان پر عقیدۂ توحید کا جو عقلی اثر مرتب ہوتا ہے، اس کی بدولت وہ سارے عالم کو ایک مرکز اور ایک نظام کے تابع سمجھنے لگتا ہے اور اس کے اجزائے پریشاں میں ایک کھلا ہوا ربط اور وحدت نظر آنے لگتی ہے، اور اس طرح انسان زندگی کی پوری تشریح کر سکتا ہے، اور اس کے فکر و عمل کی عمارت حکمت و بصیرت، خیر و تقویٰ پر تعاون، انسانیت کی صلاح و فلاح، معاشرے کی تنظیم، تمدن کی رہنمائی، دین و دنیا کے اجتماع اور حریف و برسرِ پیکار طبقات کی وحدت واخوت کی بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

خالص عقیدۂ توحید

اس کارخانۂ قُدرت کا ایک بنانے والا ہے، جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، وہ تمام خوبیوں، تعریف کی باتوں اور کمالات کا حامل اور ہر طرح کے عیوب و نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے، تمام موجودات اور تمام معلومات اس کے علم میں ہیں، یہ پوری کائنات (Universe) اسی کے ارادہ سے ہے، وہ زندہ ہے، سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) ہے، نہ کوئی اس کی طرح ہے، نہ اس کا کوئی مقابلہ اور برابری والا ہے، وہ بے مثال ہے، وہ کسی مدد کا محتاج نہیں، کائنات کے چلانے اور اس کا انتظام کرنے میں اس کا کوئی شریک، ساتھی اور مددگار نہیں، عبادت (یعنی انتہائی تعظیم) کا صرف وہی مستحق ہے، صرف وہی ہے جو مریض کو شفا دیتا، مخلوق کو روزی دیتا اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے، خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا، ان کے سامنے انتہائی ذلّت و مسکنت کا اظہار، ان کا سجدہ کرنا، ان سے دعا اور ایسی چیزوں میں مدد مانگنا جو انسانی طاقت سے باہر اور صرف خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں (مثلاً اولاد دینا، قسمت اچھی بُری کرنا، ہر جگہ مدد کے لئے پہنچ جانا، ہر فاصلہ کی بات سن لینا، دل کی باتوں اور چھپی ہوئی چیزوں کا جان لینا) اسلام کی اصطلاح میں شرک ہے، اور وہ سب سے بڑا گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ (کُنْ فَیَکُوْنُ) ''ہوجا'' تو وہ ہو جاتی ہے''(۱)

اللہ تعالیٰ نہ کسی کے جسم میں اُترتا ہے، نہ کسی کا روپ بھرتا ہے، نہ اس کا کوئی اوتار ہوتا ہے، وہ کسی جگہ یا سمت میں محدود نہیں ہے، جو وہ چاہتا ہے سو ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، وہ غنی و بے نیاز ہے، کسی چیز کا بھی محتاج نہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اس سے پوچھا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ حکمت اس کی صفت ہے، اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے اور اچھائی لئے ہوئے ہے، اس کے علاوہ کوئی (حقیقی) حاکم نہیں، تقدیر اچھی ہو یا بُری اللہ کی طرف سے ہے، وہ پیش آنے والی چیزوں کو پیش آنے سے پہلے جانتا اور ان کو وجود بخشتا ہے۔

□ □ □

---

(۱) یٰس : ۸۲

باب دوم

رسالت

فطرت انسانی کے سوالات

انسان کی فطرت کے کچھ سوالات ہیں، جو رہ کر اس کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں۔ ان سوالات کو نہ حیلوں بہانوں سے ٹالا جا سکتا ہے، نہ ان کے جواب سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے، اس عالم کو کون چلا رہا ہے؟ اس کی کیا صفات ہیں؟ اس کا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟ اس کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند؟ اور یہ کہ اس زندگی کا انجام اور اس عالم کا منتہا کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں، جو بالکل طبعی اور قدرتی ہیں اور انسان کی فطرتِ سلیم کو پورا حق ہے کہ وہ انسان سے پوچھے کہ وہ جس دنیا میں بستا ہے اس کو کس نے بنایا اور کون اس کو چلا رہا ہے؟ پھر جب تک اس کو اس بنانے والے کی صفات نہ معلوم ہوں، اس کو اس سے کوئی قلبی لگاؤ اور ذہنی تعلق نہیں پیدا ہو سکتا، دنیا کا بھی یہی حال ہے کہ جب تک کسی شخص کی سیرت اور اخلاق و صفات سے ہمیں واقفیت نہیں ہوتی، ہمیں محض اس کے نام سے تعلق پیدا نہیں ہوتا، پھر اگر ہم خالقِ کائنات کے متعلق اس کے سوا کہ وہ موجود ہے، کچھ نہ جانتے ہوں، اس کی ربوبیت و رحمت، قدرت و اختیار، علم و اطلاع، محبت و رأفت، اور اس کے جلال و جمال کی دوسری صفات، اس کا ہم سے قریب ترین تعلق، اور ہماری اس کی طرف شدید ترین احتیاج، اور اس کے سہارے ہمارے قیام و بقا کا حال معلوم نہ ہو، اس سے ہمیں وہ تعلق پیدا نہیں ہو سکتا جو ایسی ذات سے پیدا ہونا چاہیئے۔

اسی طرح وہ اپنے اس سوال میں بالکل حق بجانب ہے کہ زمین کی مملکت میں بسنے والوں سے صاحب مملکت کے کیا مطالبات ہیں؟ اس لئے کہ کسی سلطنت میں رہنے والوں کا

یہ پہلا فرض ہے کہ اس کے سلطان کا نظام و قانون معلوم کریں۔

اسی طرح سے یہ بھی بالکل طبعی امر ہے کہ وہ اس زندگی کے متعلق جاننا چاہے کہ اس کا مآل کیا ہے اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس لئے کہ اس سوال کا تعلق نہ صرف اس کے مستقبل سے ہے بلکہ اس کے حال سے بھی ہے، جس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہے، جس میں پہلی زندگی کا حساب کتاب ہوگا اور اس پہلی زندگی کے اعمال کے مطابق اس کو جزا و سزا ملے گی، اس شخص کا طرزِ عمل موجودہ زندگی میں اس شخص سے بالکل مختلف ہوگا جو موجودہ زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کا کوئی تصور نہیں رکھتا، اس لئے یہ سوال اِس کی اس زندگی میں بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے جواب میں تاخیر کی گنجائش نہیں، کیونکہ اس مسئلہ کو طے کئے بغیر اس زندگی کی صحیح تشکیل نہیں ہو سکتی۔

ہماری زندگی کے یہ بنیادی سوالات ہیں، جن پر نجات و سعادت کا دار و مدار اور ہماری قسمت کا فیصلہ موقوف ہے، جن کے جواب میں ذرا سی غلطی اور لغزش ہماری ابدی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے، یہ زندگی ہم کو صرف ایک مرتبہ کے لئے ملی ہے اور یہ ہماری سب سے قیمتی متاع ہے، وہ محض قیاس و تخمین اور آزمائش و تجربہ میں گذاری نہیں جا سکتی۔

ان سوالات کے علاوہ کچھ سوالات اور بھی ہیں اور ان کا تعلق بھی ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہے، ہمارا اپنے گرد و پیش کی دنیا سے اور اس کا ہم سے کیا تعلق ہے؟ اس ہنگامۂ ہستی میں ہماری حیثیت اور ہمارے وجود کا مقصد کیا ہے؟ ہم ماتحت ہیں یا خود مختار؟ ذمہ دار ہیں یا غیر ذمہ دار؟ اگر ذمہ دار ہیں تو کس کے سامنے اور ہماری ذمہ داری کس حد تک ہے؟ ہماری قوتیں اور صلاحتیں ہماری اپنی ہیں یا کسی دوسرے کی مِلک؟ ان کا طریق استعمال کیا ہے؟ اس زندگی کا کمال مطلوب اور منتہائے نظر کیا ہے؟ اور ایسے متعدد سوالات ہیں، جو ہمارے لئے فطری طور پر حل طلب ہیں اور زندگی کے مرکزی سوالات ہیں۔

سوالات کے جواب کی دو راہیں

ان سوالات کے جواب کی دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں :

(۱) ایک یہ کہ ان کا جواب ہم اپنے ذاتی علم و فہم اور غور و فکر کی بنا پر خود دیں، لیکن اس

طریقہ سے ہم زیادہ سے زیادہ جس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں، وہ یہ ہوگا کہ اس عالم کا کوئی بنانے والا ضرور ہے، رہا یہ سوال کہ اس کی صفات کیا ہیں؟ تو اس کا جواب ہم اپنے ذاتی تفکر کی بنا پر نہیں دے سکتے، ہمارا دماغ اپنی انتہائی بلند پروازیوں میں بھی قیاس کے حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس میں قیاس کی گنجائش نہیں، اس لئے کہ خالق و مخلوق کے درمیان کوئی مشابہت ہی نہیں ہے کہ عالم خلق کی مشہود و محسوس اشیاء کو دیکھ کر خالق کی صفات کا تصور کیا جا سکے۔

اس کے بعد دوسرا مشکل سوال اس کا تعیّن ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کیا اس کو پسند ہے اور کیا نا پسند؟! ہم دیکھتے ہیں کہ دوستوں اور عزیزوں اور خاص رفیقوں کی خوشی، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے بارہ میں بھی قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے اور اس میں بعض مرتبہ بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں، پھر ایک نادیدہ ذات اور وراء الوراء ہستی کی مرضیات و نامرضیات کی یقینی تعیین محض قیاس سے کس طرح ممکن ہے؟!

پھر اس علم و فہم اور غور و فکر کا نتیجہ ایک نہیں ہے، نتیجہ میں سخت اختلاف و تعارض ہے، کسی نے اپنے غور و فکر کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے بن گیا اور بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے اور خود ہی ختم ہو جائے گا، کسی کے نزدیک اس کا اگر کوئی صانع ہے تو اس کا اب مصنوعات سے کوئی تعلق نہیں رہا، کسی کے نزدیک اس کا صانع ہی اس کا حقیقی مالک تھا مگر اب وہ دوسروں کے حق میں اپنے مالکانہ حقوق سے دست بردار ہو گیا ہے اور اس کی مملکت میں اب وہ بادشاہی کر رہے ہیں، کسی نے اس دنیا کی ہر چیز کو جس سے اس کو بظاہر نفع و ضرر پہنچتا ہے یا پہنچ سکتا ہے، اپنا اِلٰہ (معبود) اور ہر صاحب طاقت کو اپنا حاکم بنا لیا، اور اس کے ظاہری حواس، روزمرہ کے تجربات اور عقل و فہم نے اس کو اسی نتیجہ پر پہنچایا، کسی کے نزدیک انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے جو کچھ ضرورتیں رکھتا ہے اور کچھ خواہشیں، وہ آزاد و خود مختار ہے اور قطعاً غیر مسئول، اس کی طاقت غیر مقید اور اس کا اختیار غیر محدود ہے، اس کے قانون کا نہ کوئی الٰہی ماخذ ہے، نہ اس کے علم کا کوئی غیبی سر چشمہ۔ دنیا ایک ہنگامۂ کارزار ہے، جس میں اصل قانون، طاقت ہے۔ اخلاق، خیر و شر، حسن و قبح یہ سب بے معنی

الفاظ ہیں۔(۱)

خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے صفات کے بارہ میں حکماء اور فلاسفہ نے جو جو قیاس آرائیاں اور موشگافیاں کی ہیں اور جس طرح انہوں نے اس کی طرف ان نقائص کی نسبت کی ہے جن کی نسبت وہ خود اپنی طرف پسند نہیں کرتے، وہ انسانی عقل کے عجائبات میں سے ہے۔(۲)

بعد کے سوالات یعنی اس عالم میں انسان کا اصل محل و مقام کیا ہے؟ اس کی حیثیت و مقصد کا تعین، دوسری مخلوقات اور اپنے ہم جنسوں سے اس کے طرز عمل کی تعیین، ماتحتی اور خودمختاری، ذمہ داری اور آزادی کی بحث، اپنی قوتوں اور ظاہری ملکیتوں کے متعلق اس کا خیال؟ یہ سب درحقیقت پہلے سوالات کا ضمیمہ ہیں اور ان کے صحیح حل سے یہ خود بخود حل ہوجاتے ہیں، جن لوگوں نے ابتدائی سوالات کے حل کرنے میں غلطی کی اور قیاس آرائی سے کام لیا، ان سوالات کے جواب میں بھی ان کا غلطی میں مبتلا ہونا اور ان کے قیاسات میں اختلاف و تعارض اور شک و احتمال واقع ہونا لازمی تھا۔

(۲) جواب کی دوسری راہ یہ ہے کہ ہم اس بارہ میں کسی دوسری جماعت پر اعتماد کریں، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ جماعت کون سی ہے؟ اگر وہ حکماء کی جماعت ہے تو پوچھا جاسکتا ہے کہ ان مسائل میں ان کو ہمارے مقابلہ میں کون سا امتیاز حاصل ہے اور ان مابعدالطبیعیاتی مسائل کے حل کے ان کے پاس کون سے علمی ذرائع ہیں؟ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان مسائل میں نہ حواس کام کرتے ہیں نہ عقل کا کچھ دخل ہے، ان کو اس علم کے مبادی بھی حاصل نہیں ہیں، پھر ان کو اس بارہ میں ہماری رہنمائی کا کیا حق ہے اور ہم ان پر کس طرح اعتماد کرسکتے ہیں؟ ان سے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے :

هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ، فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۳)

---

(۱) یہ سب اقوال و عقائد جاہلیت اولیٰ، جاہلیت وسطیٰ اور جاہلیت جدیدہ کے عقلاء اور فلاسفہ کے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں کتب فلسفہ و مابعدالطبیعیات۔

(۲) ملاحظہ ہوں، اقوال حکمائے یونان، و ابنِ سینا و ابن رشد۔

(۳) آل عمران : ٦٦

تم نے ان مسائل میں تو بحث کرلی جن کا تم کو (تھوڑا بہت) علم تھا، مگر اب ایسے مسائل میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تم کو کچھ بھی علم نہیں؟ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اب صرف یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان مسائل میں ہم کچھ ایسے انسانوں پر اعتماد کریں جن کا علم اس بارہ میں قیاسی نہ ہو بلکہ یقینی اور قطعی ہو، جنھوں نے ان علوم وحقائق کو اپنے مشاہدہ سے اس طرح حاصل کیا ہو جس طرح ہم کو اس عالم کے مسموعات ومبصرات کا علم ہوتا ہے، جن کے لئے یہ چیزیں ایسی ہی بدیہی ہوں جیسی ہمارے لئے دنیا کی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، جن کو مشترک انسانی حواس کے علاوہ ایک حاسۂ زائد ملا ہو جسے ہم ''حاسۂ غیبی'' کہہ سکتے ہیں، جو خدا سے براہ راست اس کی مرضیات اور احکام معلوم کر سکیں اور دوسرے انسانوں تک پہونچا سکیں، یہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہے، ان کی بے داغ سیرت، ان کی بے لاگ صداقت، ان کی فوق البشری حکمت وعدالت، ان کی معجزانہ تعلیم اس بات کا اذعان پیدا کر دیتی ہے کہ یہ ایک الگ نوع کے لوگ ہیں اور ان کا علم واطلاع کے اس سرچشمہ سے ضرور اتصال ہے جو انسانوں کی دسترس سے باہر ہے، ان کے خارق عادت صفات وعلوم کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں ہوسکتی کہ ان کا نبی ہونا اور ان کے پاس وحی کا آنا تسلیم کیا جائے۔

سابق الذکر جماعتیں (حکماء وفلاسفہ) اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا خود بھی دعویٰ نہیں کرتیں، نہ ان کو اس بارہ میں کسی مشاہدہ کا دعویٰ ہے، ان کے اقوال ودعاوی کا حاصل بس یہ ہے کہ ایسا ہوگا، یا ایسا ہونا چاہیئے، یا ہمارے قائم کیئے ہوئے مقدمات (جو بدیہی اور قطعی الثبوت نہیں ہیں) ہم کو اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں اور وہ اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتے ہیں؟!!

لیکن پیغمبروں کو اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا دعویٰ ہے، وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ خدا ہے یا اس کی یہ صفات ہیں، بلکہ وہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کی باتیں سنتے ہیں۔ ہم اس سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے پیغام پہونچتے ہیں۔

ہمارے پاس اس کے فرشتے آتے ہیں، ان کے لئے کوئی چیز اتنی یقینی اور بدیہی نہیں جتنی خدا کی صفات، اس کے احکام و پیغام اور اپنی نبوت ورسالت، اس لیے ان کو ایک لمحہ کے لئے بھی ان حقائق میں کوئی شک وتذبذب نہیں اور کسی کے کہنے سننے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

پیغمبر نبوت ورسالت کے اس بلند مقام پر کھڑا ہوتا ہے جہاں سے وہ عالم غیب کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح عالم شہود کو، عالمِ آخرت بھی اس کے سامنے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح یہ دنیا، جو لوگ اس بلندی پر نہیں ہیں اور زمین کی پستی سے اس کے مشاہدات کے بارہ میں اس سے بحث و حجت کرتے ہیں، وہ ان سے اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ میری آنکھیں وہ دیکھتی ہیں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میرے کانوں میں وہ آوازیں آتی ہیں جو تم نہیں سن سکتے، تمہارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر جو کچھ کہوں تم اس کا یقین کرو، تمہاری نجات اسی میں ہے۔(۱)

ایک پیغمبر (۲) سے جب اس کی قوم نے خدا اور اس کی صفات کے بارہ میں حجت کی تو اس نے نہایت سادگی سے اپنا اور بے دلیل بحث کرنے والوں کا فرق بیان کیا:

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اَتُحَاجُّوْنِّي فِي اللهِ وَقَدْ هَدٰنِ (۳)

اور اس سے اس کی قوم نے حجت کی۔ اس نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے

---

(۱) کوہ صفا کی تقریر میں آنحضرت ﷺ نے اسی اہم نکتہ کو جو پیغمبر اور غیر پیغمبر کے فرق کو واضح کرتا ہے، نہایت دلنشیں انداز میں بیان فرمایا، آپ نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر قوم سے پوچھا کہ تم نے آج تک مجھے کیسا پایا؟ سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امانت دار پایا۔ پھر آپؐ نے کہا کہ اچھا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے عقب میں ایک لشکر پڑا ہوا ہے جو غفلت کی حالت میں تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو تم اس کو باور کرو گے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کے یقین نہ کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں۔ (اس لئے کہ آپ کی صداقت کا تجربہ ہے اور آپ ایسے بلند مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے آپ کو وہ نظر آسکتا ہے جو ہم کو نظر نہیں آسکتا) اس اقرار کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کا عذاب آنے والا ہے، اس حقیقت افروز پیغمبرانہ تقریر میں آپ نے پیغمبر کی انہیں دونوں خصوصیتوں کی وضاحت فرمائی، ایک اس کی اعلیٰ صداقت اور پاکیزہ سیرت۔ دوسرے اس کی خداداد پیغمبرانہ بصیرت اور مشاہدہ غیبی، جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں اور جس کی بنا پر دوسرے انسانوں کے لئے اس کی تقلید کے سوا چارہ نہیں۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

(۳) سورہ انعام : ۸۰

بارے میں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ اس نے میری رہنمائی کی ہے۔

ایک دوسرے پیغمبر (۱) نے یہی فرق اس طرح بیان کیا ہے :

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَعُمِّیَتۡ عَلَیۡکُمۡ اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَ اَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ (۲)

اس نے کہا کہ لوگو! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کے صاف راستہ پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی پھر وہ تمہاری نظر سے مخفی رہی تو کیا ہم تم کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں جب کہ تم اس کو پسند نہیں کرتے؟

ایک تیسرے پیغمبر (۳) کے متعلق یوں کہا گیا :

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ۞ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۞ (۴)

وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، وہ تو وحی ہے جو وحی کی جارہی ہے۔

اسی مشاہدہ کے متعلق کہا گیا :

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۞ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ۞ (۵)

نہ اس کی نگاہ بہکی، نہ حد سے بڑھی، بے شک اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ **مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ۞ اَفَتُمٰرُوۡنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۞** (۶) رسول کے دل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ کہ دیکھا، کیا تم اس سے جو کچھ وہ دیکھتا ہے اس پر جھگڑتے ہو؟

اس یقین و مشاہدہ کے مقابلہ میں جو کچھ ہے، اس کی حقیقت سُن لیجئے :

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَہۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمُ الۡہُدٰی ۞ (۷)

وہ محض اٹکل اور دل کی خواہشوں پر چلتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی۔

---

(۱) حضرت ہود علیہ السلام۔ (۲) ہود : ۲۸

(۳) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۴) النجم : ۳/۴

(۵) النجم : ۱۷/۱۸ (۶) نسم : ۱۱/۱۲

(۷) النجم : ۲۳

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○ (۱)

ان کواس کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور قیاس، حقیقت کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

زندگی کی مکمل توجیہ وحی اور پیغمبروں کی بصیرت کے بغیر ممکن نہیں

ان مابعد الطبیعیاتی سوالات کے علاوہ جن کا جواب دیئے بغیر ہماری زندگی حیوانی زندگی سے ممتاز نہیں ہوسکتی، ہم یوں بھی وحی کی روشنی اور پیغمبروں کے نورِ بصیرت کے بغیر اپنی زندگی کی مکمل توجیہ نہیں کر سکتے اور نظام کائنات کے حقیقی مرکز اور اس ہمہ گیر اور حکیمانہ قانون کو دریافت نہیں کر سکتے جو اس عالم میں کارفرما ہے، اپنی ذاتی بصارت سے ہم کو یہ زندگی ایک وحدت کے طور پر نظر نہ آئے گی، بلکہ ایک منتشر شیرازہ ملے گا جس کے اوراق بکھرے ہوئے ہیں، اس کی کچھ سطریں اور اس کے بعض عنوانات ہم غور کر کے پڑھ سکتے ہیں، مگر اس صحیفۂ کائنات کا موضوع، اس کتاب کا خلاصہ، اس کے مصنف کا مافی الضمیر، ہم کو پیغمبروں کی بصیرت کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔

حکماء اور ماہرین طبیعیات نے کائنات سے متعلق جو تحقیقات کی ہیں، زندگی سے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا ہے، طبعی قوتوں کو اپنے علم و تجربہ سے انسان کے لئے جس طرح مسخر کیا ہے اور جس طرح کائنات کے ایک ایک شعبہ اور زندگی کے ایک ایک گوشہ کے لئے مستقل علوم مرتب کئے اور کتب خانے فراہم کر دیئے وہ بلا شبہ انسانی علم کا ایک کارنامہ ہے، لیکن یہ جو کچھ بھی ہے یہ زندگی اور کائنات کے اصل مجموعہ کے کُسور و اجزاء ہیں، جن میں باہم کوئی ربط نہیں ہے، نہ ان کا کوئی مرکز معلوم ہے، یہ سب کس کس نظام کے ماتحت ہیں؟ کس مقصد کے تابع ہیں؟ کس اہم غرض کے خادم ہیں؟ ان سوالات کا کوئی جواب حکماء اور طبیعیین کے پاس نہیں ہے، حالانکہ علمی حیثیت سے ہمارے لئے یہی سوالات زیادہ اہم ہیں، اور عملی حیثیت سے بھی ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اخلاق، طرزِ عمل اور زندگی کے

---

(۱) نجم : ۲۸

بنیادی نقطۂ نظر کا انحصار انہی سوالات پر ہے، حکماء اور طبیعیین نے اپنا سفر اصلی نقطۂ آغاز (خالق کی معرفت) سے شروع نہیں کیا، اس لئے وہ ہمیشہ آفاق میں گم رہیں گے اور زندگی کے معمہ کو کبھی حل نہ کرسکیں گے۔

لیکن اس کے بالکل برخلاف جب ہم وحی کی روشنی اور پیغمبر کی بصیرت سے اس عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ایک ''وحدت'' نظر آتا ہے اور ایک اعلیٰ وحدانی نظام معلوم ہوتا ہے، جس کے اجزاء میں باہم پورا ربط و تعلق ہے، یہ سب ایک مرکز کے تابع ہیں، ان کی ہر حرکت و عمل ایک مقصد کے ماتحت ہے، ان میں نہ باہمی تصادم ہے، نہ خودمرکزیت۔ دنیا ایک مرتب ومتوازن مشین ہے جس کا ہر پرزہ اپنی جگہ پر کارآمد ہے اور دوسرے پرزہ کی امداد کررہا ہے، یا ایک بڑا کارخانہ ہے جس میں صدہا مشینیں چل رہی ہیں، ہر مشین کو دوسری مشین سے پورا تعلق ہے اور یہ پوری مشین یا پورا کارخانہ ایک صاحب علم و صاحب اختیار طاقت کے ہاتھ میں ہے جو اس کو ایک قانون اور نظام کے ماتحت، جو اسی کا وضع کیا ہوا ہے چلا رہا ہے۔

انبیاء اور محققین کے طریق نظر اور طریق کار کا اختلاف

انبیاء اور حکماء و محققین کے طریق نظر اور طریق کار کا اس کائنات کے بارہ میں جو اختلاف ہے اس کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں، کسی شہر میں علماء و محققین کی ایک جماعت داخل ہوتی ہے، ان میں سے ایک گروہ یہ تحقیق کرتا ہے کہ اس شہر کا محل وقوع کیا ہے، اس کے حدود اربعہ کیا ہیں، اس کا عرض البلد اور طول البلد کیا ہے؟ اس کے پاس کتنے دریا اور کتنے پہاڑ ہیں، اور دریا کہاں سے آتے ہیں اور پہاڑ کہاں تک جاتے ہیں، شہر کا رقبہ کیا ہے، وہاں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ جغرافیہ دانوں کا گروہ ہے۔ دوسرا گروہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ شہر کب سے آباد ہے، شہر میں کون کون سے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں، ان کی تاریخ کیا ہے؟ یہ مؤرخین اور علمائے آثار کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ اس کی زمین کی حیثیت معلوم کرتے ہیں، کھدائیاں کرتے ہیں اور اس کی معدنیات دریافت کرتے ہیں، یہ ماہرین طبقات الارض کا گروہ ہے۔

کچھ لوگ وہاں ایک رصدگاہ قائم کرتے ہیں۔ جہاں سے سیاروں اور ثوابت کا

مطالعہ کرتے ہیں، ان کے زمین سے فاصلے دریافت کرتے ہیں، زلزلوں اور بارشی ہواؤں کے متعلق پیشین گوئیاں کرتے ہیں، یہ علماء طبیعیات وہیئت کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ وہاں کیمیاوی معمل قائم کرتے ہیں، جہاں ادویہ کے خواص کا تجربہ کرتے ہیں، مفردات و مرکبات کا تجزیہ کرکے نئی نئی تحقیقات کرتے ہیں، یہ علم الکیمیا اور نباتات کے ماہر ہیں۔

کچھ لوگ شہر کی زبان کے متعلق تحقیق کرتے ہیں، اس کے ادب کا مطالعہ کرتے ہیں، اس کے لغت کی تدوین اور اس کے قواعد وضع کرتے ہیں، یہ ادباء اور علماء السنہ کی جماعت ہے۔

کچھ صاحب ذوق ان خشک مباحث سے ہٹ کر جمالیات کی طرف توجہ کرتے ہیں، پھولوں، پتیوں، اور مناظر طبعی کا لطف اٹھاتے ہیں اور ان کے متعلق مؤثر و دلفریب پیرایہ میں اظہار تأثر کرتے ہیں، یہ شعراء کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ وہاں کے عادات و رسوم اور اخلاق کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی تنقید کرتے ہیں، وہ سراغ لگاتے ہیں کہ یہ عادات و رسوم ان میں کہاں سے داخل ہوئے، کس طرح پیدا ہوئے، ان میں سے کون صحیح ہیں اور کون قابلِ اصلاح؟ یہ علمائے اجتماع و اخلاق ہیں۔

کچھ لوگ شہر سے متعلق کچھ اصلاحات پیش کرتے ہیں، شہر کی تنظیم و ترقی اور اہل شہر کی راحت رسانی کے لئے ان کے پاس کچھ تجاویز ہوتی ہیں، یہ علمائے تمدن ہیں۔

یہ سب جماعتیں اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جاتی ہیں اور دلچسپی اور انہماک کے ساتھ اپنے اپنے شعبوں کی تحقیقات کرنے لگتی ہیں۔

اب ایک شخص اس شہر میں داخل ہوتا ہے، وہ پورے شہر پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے، وہ دیکھتا اور سنتا سب کچھ ہے مگر مشغول کسی چیز میں نہیں ہوتا، اس کے نزدیک اہم سوالات یہ نہیں ہوتے کہ شہر کا رقبہ کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کی زمین کی تہہ میں کون سی معدنیات پائی جاتی ہیں؟ اور وہ دوسرے امور جو سابق الذکر جماعتوں کے نزدیک اہم تھے۔

اس کے سامنے اولین اور اہم ترین سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ شہر اس حسن وصنعت کے ساتھ کس نے تعمیر اور آباد کیا ہے؟ یہاں کس کی حکومت ہے؟ شہر کے باشندے کس کی رعیت ہیں؟ شہر کی آبادی اور عام زندگی سے شہر کے مالک اور حاکم کا کیا اور کیسا تعلق ہے؟ وہ حکومت اور رعیت کے درمیان واسطہ بنتا ہے، حکومت کا ترجمان اور اس کے احکام کا شارح ہوتا ہے، پس وہ تمام علمی اور تحقیقی جماعتیں مل کر بھی اس شخص کی قائم مقام نہیں ہوسکتیں، اس کے بغیر یہ پورا شہر ایک عجائب خانہ اور سیر گاہ بن کررہ جاتا ہے۔

انبیاء کا طریق نظر حکماء اور محققین سے اصولی طور پر جدا ہوتا ہے، ان کا کام موجودات کے اسرار وحقائق کا انکشاف وتحقیق نہیں، ان کا اصل موضوع ''موجد کی ذات اور صفات اور اس کے احکام'' ہے، صحیفۂ کائنات کے اوراق وصفحات ان کے سامنے بھی اسی طرح کھلے اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح دوسرے اہلِ نظر کے سامنے، مگر ان کی نظر کہیں اٹکتی الجھتی نہیں، ان کا اس صحیفہ کے مصنف سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے، وہ ''آفاق'' و''انفس'' میں اس کی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں اور اس کی سلطنت کا ایسا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس زمین وآسمان میں ان کو صرف اسی کا حکم چلتا نظر آتا ہے اور صرف اسی کی بادشاہی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اس کا قانون ان کو کسی گوشہ میں بھی ٹوٹتا نظر نہیں آتا، اس کا حکم کہیں بھی ان کو ٹلتا دکھائی نہیں دیتا، تمام بلندیاں اس کے سامنے سرافگندہ دکھائی دیتی ہیں اور تمام طاقتیں اس کے سامنے سپر افگندہ نظر آتی ہیں، ہر معاملہ میں اسی کا غیبی ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے، زمین و آسمان اسی کے سہارے تھمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اس کا ''قیوم السمٰوات والأرض'' ہونا ان کے لئے عین الیقین بن جاتا ہے۔

یہی خدا کی وہ بادشاہی ہے جو ان کو بے نقاب دکھائی دیتی ہے، جس کا علم سب سے بڑا علم اور حقیقۃ الحقائق ہے، جس سے حکماء ومحققین کے علوم کو ذرّہ کی بھی نسبت نہیں، اور جس کے مقابلہ میں ان کی حقیقت طفلانہ معلومات سے زیادہ نہیں :

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ (۱)

---

(۱) سورۂ انعام : ۷۵

اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے رہے تا کہ اس کو یقین آجائے۔

انبیاء کی فطرت، ان کی عقل اور ان کا قلب سلامت اور ذکاوت کا بہترین نمونہ ہوتا ہے، ان کی فطرت سلیم کا خاصہ ہے کہ ان کو ہوش سنبھالتے ہی اس عالم کے خالق اور منتظم کی سچی جستجو اور اس کی طلب صادق پیدا ہوتی ہے اور ان کی بے چین روح اور ان کے مضطرب قلب کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کو پا نہیں لیتے، ان کی فطرت سلیم پہلے سے ان میں اس کا یقین پیدا کر دیتی ہے کہ اس عالم کا خالق و مالک اور ان کا مربی کوئی ضرور ہے، وہ اس سے رہنمائی کے طلب گار رہتے ہیں اور اس کو اسی کی مدد سے ڈھونڈھتے ہیں، وہ عین تلاش و جستجو میں بھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتے اور کہتے ہیں :

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱)

اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی تو میں بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ہوں گا۔

ان کی عقل سلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اس دنیا کی ہر نمود عارضی اور ہر بہار فانی معلوم ہوتی ہے، ان کو تارے، چاند، سورج سب ''آفل'' غروب ہو جانے والے، زوال پذیر اور شکست خوردہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کے متعلق دائمی اور ابدی، جاوداں و بے خزاں ہونے کا دھوکا نہیں ہوتا۔

ان کے قلبِ سلیم کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ''آفل'' کو اپنی محبت و عشق کے لائق نہیں سمجھتے اور اس سے دل لگانا پسند نہیں کرتے اور ان کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتے ہیں :

لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ. (۲) میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان کو حی و قیوم ذات کی تلاش ہوتی ہے، پھر جب وہ ان کو مل جاتی ہے تو وہ اس علم کے بعد صبر نہیں کر سکتے اور پکار کر کہہ دیتے ہیں :

اِنِّي بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (۳)

---

(۱) سورۂ انعام : ۷۷ (۲) ایضاً: ۷۶

(۳) ایضاً : ۷۸/۷۹

میں ان سے بَری ہوں جن کو تم شریک کرتے ہو، میں نے ہر طرف سے منھ پھیر کر اپنا رخ اس کی طرف کر دیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یہی قلب سلیم ہے جس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی اور جو غیر اللہ کی عظمت و کبریائی کے تمام نقوش سے سادہ ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ یہی فطرت سلیم، یہی عقلِ سلیم اور یہی قلب سلیم رکھتے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ ○ (۱)

اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو بھی رُشد عطا کیا تھا اور ہم اس کی لیاقت جانتے تھے۔

وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ ○ اِذْ جَاءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○ فَقَالَ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ مَا ذَا تَعْبُدُوْنَ ○ أَ إِفْکاً آلِھَۃً دُوْنَ اللّٰہِ تُرِیْدُوْنَ ○ فَمَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ (۲)

اور نوح ہی کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے ایک ابراہیم تھا جب کہ وہ اپنے رب کے حضور صاف ستھرا دل لے کر آیا، پھر اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ تم کس کی پرستش کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا دوسرے جعلی الٰہوں کے مرید بنے ہو؟ آخر رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟؟

انبیائے کرام کا امتیاز

انبیائے کرام (صلوات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں جس کے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہو سکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں انسان اپنے خالق اور اس کائنات کو وجود بخشنے والی ذات، اس کی اعلیٰ صفات اور اس کے اور بندوں کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتدا اور اس کی انتہا معلوم ہوتی ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابلہ میں انسان کا موقف

---

(۱) سورۂ انبیاء : ۵۱ (۲) سورۂ صافات : ۸۳/ ۸۷

متعین ہوتا ہے، اور اللہ کو راضی کرنے، غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے والے امور و اعمال اور انسان کے عقائد، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزا و سزا اور انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجہ میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور طویل مدت تک اثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو "علم النجاۃ" کہا جاسکتا ہے۔

انبیائے کرام ارفع و اعلیٰ صلاحیتوں، احساس کی لطافت و نزاکت اور فطری ذہانت و ذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم و فنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائے گی اور اسی خدمت کے انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں، اور جن پر انسان کی شقاوت و سعادت کا دار و مدار ہے، وہ انہیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں، تہذیب و ثقافت، ذہانت اور علمی ایجادات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں، وہ بھی انبیائے کرام کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی کشتی کا محتاج ہوتا ہے یا زندگی سے مایوس مریض کو اکسیر دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب و تمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفل شیر خوار، جاہل محض اور تہی دست و بے بضاعت تھے، اور انھوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیات کے باوجود جب اس علم کو رد کر دیا اور اس کا مذاق اڑایا، تو انھوں نے اپنے لئے اور اپنی قوم و معاشرہ کے لئے تباہی و ہلاکت کو دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ذکاوت و عبقریت میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس انکار، تکبر، غرور، خود

پرستی اور اپنے علوم اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو انھوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی، اس کو بیکار اور بے قیمت سمجھا، تو وہ اسی غرور ہی کی نذر ہو گئیں، اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت دور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو لے ڈوبی اور انھوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل

انبیائے کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم وفنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہوگا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطبق نہ کیا ہوگا، اور نہ یہ بلیغ حکمت معلوم کی ہوگی اور معاف کیجئے گا، یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے:

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی، اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملّاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق وتفریحِ طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرّار صاحبزادہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں"؟

ملّاح نے جواب دیا "میاں! میں کچھ پڑھا لکھا نہیں"۔

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی"؟

ملّاح نے کہا "میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔"

دوسرے صاحبزادہ بولے "اقلیدس اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے"؟

ملّاح نے کہا: "حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔"

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا، ''مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی''؟

ملّاح نے جواب دیا: ''سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟''

ملّاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے، اور انھوں نے قہقہہ لگایا۔

پھر انھوں نے پوچھا ''چچا میاں تمھاری عمر کیا ہوگی''؟

ملّاح نے بتلایا ''یہی کوئی چالیس سال۔'' لڑکوں نے کہا: ''آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں'' ملاح بے چارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشا دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے، چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا، ''بھیّا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟''

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے۔ اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ''ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے،؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارہ تک کیسے پہنچ سکو گے؟''

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا۔ انہوں بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا ''چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔''

لڑکوں کا جواب سن کر ملّاح زور سے ہنسا، اور کہا: ''میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کچھ کام نہ آئے گا، آج پیرا کی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔''

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب و تمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی یہی حالت ہے، خواہ وہ علم و ادب کے دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں، یا انسانوں کے تمام علوم، حکمتوں، ایجادات اور اس وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے اکتشافات میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں، لیکن وہ اس علم سے ناواقف تھیں جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جا سکتا ہے، جس کے سہارے ساحلِ مقصود تک رسائی اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے، جو اعمال اور میلانات کو درست رکھتا، خواہشات اور شہوات کو قابو میں کرتا ہے، اخلاق کو صالح اور نفس کو مہذب بناتا ہے، برائیوں سے روکتا اور بھلائیوں پر ابھارتا ہے، دل میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے، اور جس کے بغیر نہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ تہذیب و تمدن کی حفاظت، جو انسان کو انجام کی فکر اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے، انانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے، دنیا کی حقیر چیزوں کی حرص و ہوس سے آزادی دلاتا ہے، احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے، اور غیر مفید اور بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

حکماء اور ماہرین علوم کا دامن اور ان کے بڑے بڑے کتب خانے ان معلومات سے یکسر خالی ہوتے ہیں جو انبیاء کو خدا کی طرف سے ملتی ہیں، ان کو آخرت کی ان منزلوں کی ہوا بھی نہیں لگی ہوتی ہے جن کی انبیاء علی وجہ البصیرۃ خبر دیتے ہیں اور جن کے متعلق تفصیلی ہدایات دیتے ہیں، ان کی تگ و دو دنیا کی حد تک ہے، موت کی سرحد کے پار وہ جھانک کر دیکھ نہیں سکتے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (۱)

---

(۱) سورۂ روم : ۷

وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری علم رکھتے ہیں اور آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔

بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ ○ (۱)

ان کا علم تھک کر رہ گیا آخرت کے بارہ میں، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے نابینا ہیں۔

حکماء اور ماہرین علوم کی حقیقت انسانی سفینہ کے ان ناخداؤں کے مقابلہ میں وہی ہوتی ہے جو ایک تجربہ کار جہازراں کے سامنے ساحل سمندر پر خوبصورت سیپیوں کے ساتھ کھیلنے والے بچوں کی، ان حکماء اور علماء کے لئے بھی یہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک اَن پڑھ دیہاتی کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کریں اور ان سے اپنی نجات و سعادت کا وہ علم حاصل کریں جو ان کے بغیر کسی سے نہیں مل سکتا، جس کے بغیر ان کے تمام علوم وفنون، ان کی تمام تحقیقات واکتشافات بے کار بلکہ ان کے لئے وبال ہیں، اپنے علوم پر فخر وناز، اپنے معلومات اور تحقیقات پر قناعت اور انبیاء کے علم سے استغناء ان کے لئے اور ان تمام آبادیوں اور ملکوں کے لئے جو ان کی رہنمائی قبول کریں اور اپنی قسمت ان کے سپرد کریں، پیغام ہلاکت ہے، جن اشخاص یا قوموں نے اپنے زمانہ کے مروجہ علوم پر اعتماد کرکے انبیاء کی تعلیم وہدایت سے بے نیازی برتی، وہ ہلاک ہوگئیں۔

فَلَمَّا جَاءَ هُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْ بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (۲)

پس جب ان کے پیغمبران کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں کے پاس جو (تھوڑا بہت) علم تھا، اسی پر نازاں رہے، آخر کار جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی کی لپیٹ میں وہ آگئے۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ہر اس قوم کی یہی حالت ہے، جو علم، حکمت،

---

(۱) سورۂ نمل : ۶۶ (۲) مؤمن :۸۳

صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر و غرور اور اپنے علوم، ترقیات اور ماہر فن باکمالوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ ﷺ کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، اور اس مرکز انوار سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلد ہی ان قوموں کے انکار، تکبر اور استغنا کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بلب تہذیب کی لاش کا تعفّن پھیل جائے گا، اور ان کے تمدن کی عمارت زمین پر آرہے گی۔

انبیاء کی دعوت

انبیاء کرام کو جب اس حقیقت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ یہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے، اسی کی مملکت ہے اور اسی کے حکم سے یہ پورا نظام چل رہا ہے تو پھر وہ انسانوں کی طرف توجہ کرتے ہیں اور تعجب سے دیکھتے ہیں کہ کائنات اور اس کے تمام اجزاء چار و ناچار جس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں اور طوعاً و کرہاً جس کی فرمانبرداری کر رہے ہیں، انسان اس کائنات کے مجموعہ ہی کا ایک جزء ہونے کے باوجود اس کے سامنے اپنے ارادہ اور خواہش سے جھکنے میں تامل کر رہا ہے، اگر چہ یہ بلا ارادہ اس کے سامنے جھکا ہوا ہے، اس کے تکوینی احکام و قوانین کے زیر فرمان ہے، اسی کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، اسی کے حکم سے نشو ونما پاتا ہے، بچہ سے جوان ہوتا ہے اور جوان سے بوڑھا، اسی کی پیدا کی ہوئی چیزیں کھاتا ہے، اسی کے حکم سے بیمار ہوتا ہے، اسی کے حکم سے صحت پاتا ہے، غرض زندگی کی تمام ضروریات میں اور اپنے تمام جسمانی احوال میں خدا کے بنائے ہوئے نظام و قوانین کا اسی طرح تابع ہے جس طرح جمادات و نباتات و حیوانات۔ لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ جس طاقت کے سامنے تو بلا ارادہ جھکا ہوا ہے، اسی کے سامنے بالارادہ بھی جھک جا تو اس کو اس میں عذر ہوتا ہے، انبیاء کرام نے جب پہلی حقیقت کے بالکل برخلاف یہ واقعہ دیکھا اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی انسانی برادری کے بہت سے افراد نے خالق کے بجائے اس کی بعض مخلوقات کے

آگے سر جھکایا ہے اور ان کی عبادت واطاعت اختیار کرلی ہے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً وَکَرْھاً وَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ○ (۱)

کیا یہ اللہ کی فرمانبرداری کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سامنے زمین وآسمان کی سب چیزیں اپنی خوشی یا مجبوراً جھکی ہوئی ہیں اور اللہ ہی کی طرف ان سب کو لوٹ کر آنا ہے۔

عالم کی یہی افتادگی اور کائنات کا یہی سجود ہے جو قرآن کی آیات سجدہ میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے :

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰئِکَةُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ○ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِنْ فَوْقِھِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ ○ (۲)

اور اللہ ہی کے سامنے زمین وآسمان کی تمام مخلوقات اور فرشتے سربسجود ہیں اور ان میں خدا کے سامنے تکبر کا کوئی جذبہ نہیں، اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔

بس انبیاء کی دعوت یہ ہوتی ہے کہ انسان بھی اسی طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے جس کے سامنے ساری کائنات سرافتادہ ہے، کائنات کا ایسا جزء ہوکر زندگی گذارے جو اپنی حرکت اور عمل میں اس کی مجموعی حرکت ورفتار سے ہم آہنگ اور خالق کائنات اور مدبر ارض وسموات کے احکام وقوانین کے تابع ہو، اپنی تمام غلط خواہشات سے، اختیار ومطلق العنانی سے، آزادی وخودمختاری کے دعووں سے اور اپنے حقوق مالکانہ کے زعم سے دستبردار ہوکر اپنے کو بالکل اس کے حوالے کردے، اسی کا نام ''اسلام'' ہے، جس کی دعوت لے کر تمام انبیاء آئے۔

ظاہر ہے کہ اس ''دین'' اور ''اسلام'' (اطاعت مطلق اور تسلیم کامل) کے بعد اور

---

(۱) آل عمران : ۸۳ (۲) سورۂ نحل : ۵۰/۴۹

اس تصور کے ساتھ کہ بالآخر پھر واسطہ اسی سے پڑنے والا ہے۔(وَاِلَیۡهِ یُرۡجَعُوۡن) اور اس کے سامنے اس زندگی کا حساب کتاب پیش کرنا ہے، انسان میں مطلق العنانی اور خود مختاری کا جذبہ کسی طرح نہیں پیدا ہو سکتا، اس کی زندگی کا نقشہ اس کے دماغ کے سانچے سے ڈھل کر نہیں نکلے گا بلکہ اسی کا تجویز کیا ہوا ہوگا جس نے کائنات کا پورا نقشہ بنایا ہے اور جو خود انسان کا بھی خالق ہے، اس کے اخلاق و عادات، سیاست و اجتماع اور احکام و قوانین اس کے اپنے تصنیف کردہ نہ ہوں گے بلکہ اس کو سب خدا کی طرف سے ملیں گے۔

وحی و رسالت کے اس راستہ کے مقابل دوسرا راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو اس عالم میں ایک ایسا وجود مستقل فرض کرلے جس کی زندگی کا رخ کائنات کی دوسری چیزوں سے بالکل جدا ہے، اور اس میں وہ کسی بالائی طاقت کے زیر فرمان، کسی آسمانی نظام کا تابع اور کسی غیر انسانی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہے، یہ جاہلیت کا راستہ ہے، یہ درحقیقت خدا کی اس سلطنت میں چھوٹی چھوٹی متعدد آزاد اور خود مختار سلطنتیں قائم کرنے کی باغیانہ کوشش ہے۔

وحی و رسالت تمدن کی بنیاد ہے

انبیاء علیہم السلام انسان کو وہ ابدی علوم وحقائق، زندگی کے وہ قطعی اصول و قواعد اور معاشرت و اجتماع کے وہ بے خطا ضوابط عطا کرتے ہیں جن کی پابندی سے صحیح انسانی تہذیب ظہور میں آتی ہے، اور جن کی بنیاد پر عادل اور صالح تمدن کا نشو و نما ہوتا ہے۔

تمدن اینٹ اور چونے، کاغذ اور کپڑوں کے تنوع کا نام نہیں ہے، نہ حیوانی تقاضوں کو انسانی ہنر مندی سے پورا کرنے اور اس کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا نام ہے، تمدن اس اجتماعی زندگی کا نام ہے جس میں قدرت کے قائم کئے ہوئے حدود قائم رہیں، ہر فرد جماعت کو اس کا واجبی حق ملے، اور عقائد و اخلاق اور قانون و حکومت کے تعاون سے ایک ایسا ماحول پیدا ہو جس میں انسان کو فطرت کا منشا پورا کرنے اور اپنے کمال مطلوب تک پہنچنے میں امداد ملے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وحی و رسالت کی روشنی اور انبیاء کی رہنمائی کے بغیر انسان نے جب اجتماعی زندگی کا کوئی نقشہ بنایا تو کبھی وہ اس کو مکمل نہ کر سکا اور اس میں وہ تناسب اور

توازن نہ پیدا کرسکا جو ایک صالح انسانی تمدن کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

اصل یہ ہے کہ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا کے باغبان ہیں جو اس دنیا کی چمن بندی کرتے رہتے ہیں اور اس کے برگ و بار کو چھانٹتے رہتے ہیں، جو تمدن ان کی مدد کے بغیر اُگ آئے اور ان کی آبیاری اور نگرانی کے بغیر پرورش پائے وہ خودرو جنگلی درخت کی طرح ہے، اس میں وہ تمام عیوب اور نقائص ہوں گے جو جنگل کے خودرو درختوں اور جھاڑیوں میں پائے جاتے ہیں، اغلب یہ ہے کہ وہ میٹھے پھل دینے والے سایہ دار درخت کے بجائے کڑوے یا کسیلے پھل دینے والا خاردار درخت ہی ہوگا۔

انبیاء فطرت کے نباض اور انسانیت کے مزاج دان طبیب ہیں، جس تمدن کا خمیر ان کی ترکیب اور ان کے مشورہ کے بغیر تیار ہو اس میں کبھی اعتدال نہیں ہوسکتا، اس کے مزاج کا عدم توازن کبھی نہ جائے گا، ایسا تمدن جتنی ترقی کرے گا، اس کے چھپے ہوئے عیوب اتنے ہی نمایاں ہوتے جائیں گے اور اس کی بے اعتدالیاں جو اس کی فطرت میں داخل ہیں اتنی ہی ابھرتی جائیں گی، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے تمام مشہور تاریخی تمدنوں کے عروج کا زمانہ سب سے زیادہ اجتماعی اور اخلاقی ہنگامہ و تلاطم کا زمانہ رہا ہے جس میں نظام اجتماعی کی داخلی خرابیاں اور بے اعتدالیاں سطح پر ابھر آتی ہیں۔ تمام انسانی تمدنوں کے عروج کے اسی دور میں ازدواجی تعلقات کی خرابی، خانگی زندگی کی ابتری، جنسی اور صنفی کشاکش اور مشکلات، طبقاتی کشمکش، اخلاقی امراض اور اجتماعی بدنظمی سب سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس کے خاتمہ کا وقت قریب ہوجاتا ہے، گویا اس کے عروج اور اس کی ہلاکت کا زمانہ ایک ہی ہوتا ہے۔

بہت سے لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ عقائد (خواہ مذہبی ہوں یا اجتماعی) تمدن کی مستحکم بنیاد ہیں، جس تمدن کی بنیاد چند مسلمات اور حقائق پر نہ ہو وہ تمدن بے بنیاد اور بازیچۂ اطفال ہے، وحی و رسالت ہی صحیح عقائد بخشتے ہیں اور پھر ان کو ثبات واستحکام عطا کرتے ہیں، انہیں کے ذریعہ سے انسان کو اخلاق اور اجتماع کے لئے ایسے اساسی مسلمات حاصل ہوتے ہیں جو آسمان و زمین کی طرح پائیدار اور پہاڑوں کی طرح استوار ہوتے ہیں، انہیں کی بنیاد پر تہذیب و تمدن کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اخلاق و اجتماع و

معاشرت میں وہی بنیاد کا کام دیتے ہیں، جب کسی قوم کے ہاتھ سے وحی ورسالت کا رشتہ چھوٹ جاتا ہے یا ابتداہی سے انبیاء کا دامن اس کے ہاتھ نہیں آتا، تو پھر اس کے نزدیک کوئی حقیقت، حقیقت نہیں رہتی، بدیہیات، نظریات بن جاتے ہیں اور مسلمات، اختلافی مسائل ہوجاتے ہیں، اس کے اجتماعی نظریات، دن رات، صبح شام تبدیل ہوتے ہیں، علمی حقیقتیں بدلتی رہتی ہیں، اخلاقی اصطلاحات وتعریفات میں تغیر ہوتا رہتا ہے، اور اخلاقی فلسفے منسوخ ہوتے رہتے ہیں، خیروشر اور صلاح وفساد کا کوئی معیار باقی نہیں رہتا، کل جو چیز اخلاق تھی آج وہ بداخلاقی شمار ہوتی ہے، آج جس کا نام ظلم ہے کل عین عدل بن جاتا ہے، حقائقِ اشیاء کے فرق سے ذہن ناآشنا ہوجاتے ہیں، اس وقت اس قوم کا قِوام بگڑ جاتا ہے، اس کی اخلاقی حس باطل ہوجاتی ہے، آزادی کے پردہ میں سخت انتشارِ خیال اور اختلافِ عمل پیدا ہوتا ہے، اور بالآخر اس میں وہ اجتماعی فوضویت (انارکی) اور اخلاقی اباحیت پیدا ہوتی ہے جو اس قوم کا جینا دشوار کردیتی ہے اور خود اس کی تعمیر کی ہوئی جنت ارضی کو اس کے لئے جہنم اور اس کو دنیا کی دوسری قوموں اور تہذیبوں کے لئے طاعون بنادیتی ہے۔

تمام انسانی تمدنوں اور تہذیبوں کی تاریخ پڑھ جایئے، ان کے اجتماعی اور اخلاقی امراض ومہلکات اور بالآخر ان کی ہلاکت وتباہی کا اصل سبب، مذہبی واخلاقی عقائد و نظریات کا یہی تزلزل، مسلمات کا یہی فقدان، اور خیروشر کے معیاروں کا یہی تغیر وتبدل پایا جائے گا۔ فطرت سلیم، قومی روایات، اور قدیم تربیت کچھ دنوں ضرور اس کی حفاظت کرتی ہیں، مگر یہ بہت کمزور قسم کی چیزیں ہیں، یہ قوم کے بحران اور بداخلاقیوں اور بدنظمیوں کے سیلاب کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، بداخلاقیوں اور بدنظمیوں کی پشت پر ان کو جائز اور مستحسن قرار دینے کے لئے مختلف قسم کے اخلاقی اور اجتماعی فلسفے اور علمی نظریے ہوتے ہیں، جن کی طاقت فطرت کی آواز کو دبادیتی ہے اور قومی روایات اور تہذیب کے طلسم کو بھی توڑ دیتی ہے اور رفتہ رفتہ اس قوم کا دامن ہر قسم کے مسلمات اور ہر ایسی چیز سے خالی ہوجاتا ہے جو خیروشر اور اخلاق وبداخلاقی کی جانچ کے لئے میزان ومعیار کا کام دے سکے۔

اسی طرح وحی ورسالت کی تعلیمات سے انحراف یا ان سے لاعلمی کا لازمی نتیجہ یہ ہے

کہ اس زندگی کا تخیل، خالص مادی اور انسان کا اپنے متعلق نقطۂ نظر، خالص حیوانی ہو کر رہ جائے، اس لئے کہ انسان کے پاس اپنے طور پر جتنے ذرائع معلومات ہیں وہ اس کے سوا اور کوئی اطلاع نہیں دیتے، ان سے اس زندگی کے سوا کسی اور زندگی کا پتہ نہیں چلتا، اور مجرد حس اور مشاہدہ سے انسان کی اور کوئی حقیقت اس کے سوا سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ایک "بولنے والا جانور" (حیوان ناطق) ہے، یہ عقیدہ اور اعتراف طبعی طور پر انسان کو حیوانیت کے اس مقام پر پہنچا دیتا ہے، جہاں جسمانی لذت والم کے احساس کے سوا کوئی اخلاقی شعور اور اغراض و مصالح کی پرستش کے سوا کوئی مذہب وفلسفہ نہیں رہتا۔

نبوت ہی انسان کو اپنی برتری وشرافت اور انسانیت کا شعور بخشتی ہے، اور اس کے ساتھ یہ ادراک بھی پیدا کرتی ہے کہ وہ ایک مقتدر اعلیٰ، احکم الحاکمین کے زیر فرمان ہے، اس کے سامنے اپنے تمام اعمال واخلاق کے لئے جوابدہ ہے، یہ دنیا اسی کی سلطنت اور اس دنیا کے رہنے والے اسی کے بندے ہیں، وہ اس سلطنت میں تصرف کرنے اور اس دنیا کے رہنے والوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں آزاد نہیں ہے۔

پھر نبوت صرف اخلاقی حسّ کے بیدار کرنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ انسان کو ایک نظام نامہ اور مفصل ضابطۂ اخلاق دیتی ہے، اچھے اخلاق پر اس سے خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کے محل ومقام کا وعدہ کرتی ہے، جس سے بہتر عمل کے لئے کوئی محرک ثابت نہیں ہوا، بداخلاقیوں اور قانون شکنی پر اس کے عذاب اور قہر سے ڈراتی ہے جس سے زیادہ کامیاب مانع دنیا میں موجود نہیں۔ خدا کے حاضر وناظر، سمیع وبصیر اور عالم الغیب والشہادۃ ہونے کا یقین اس کے دل ودماغ میں پیوست کر دیتی ہے جس سے بڑھ کر انسان کو ضبط میں رکھنے والی کوئی اخلاقی طاقت آج تک دریافت نہیں ہو سکی، یہی طاقت ہے جو انسان کو جلوت وخلوت، شہر اور صحرا میں پابندِ قانون رکھتی ہے، جو پولیس اور فوج کی طاقت کے بغیر بڑے بڑے جرائم اور صدیوں کی بری عادات کا استیصال کر دیتی ہے، جو زبان کے ایک اشارہ سے پوری پوری قوم سے منھ لگی شراب چھڑا دیتی ہے، جو مجرموں کو شہروں اور صحراؤں سے کھینچ کر عدالت میں حاضر کرتی ہے اور ان کی زبان سے اپنے جرم کا اقبال کراتی ہے۔

جس اخلاقی نظام کی پشت پر نبوت کی یہ طاقت نہ ہو، وہ صرف کتابی فلسفہ ہے جو ایک معمولی سے جرم کا انسداد بھی نہیں کرسکتا (۱) اور محدود سے محدود رقبۂ زمین میں بھی کوئی پاکیزہ اخلاقی ماحول نہیں پیدا کرسکتا۔

جو تمدن اس آسمانی ضابطۂ اخلاق سے محروم ہو اور جس قوم کا پہلو اس مذہبی ضمیر سے خالی ہو، وہ دنیا ہی میں جہنم کے گڑھے کے کنارے کھڑی ہے، اس کی مادی و علمی ترقی، اس کی صنعتی و سیاسی فتوحات، اس کی تسخیر کائنات، اس کی ظاہری تہذیب و آداب، اس کے علوم و فنون، کوئی چیز اس کو اس گڑھے میں گرنے سے روک نہیں سکتی، بلکہ یہ سب چیزیں مل کر اس کے گرنے کی رفتار کو اور تیز کردیں گی، جو قوم وحی کی حفاظت اور انبیاء کی پاسبانی سے محروم ہو اس کے یہی علوم و آداب (جو انبیاء کی رہنمائی کے بغیر پیدا ہوتے ہیں اور جن کا خمیر خداشناس اور پاکباز نہیں ہے) اس کے اخلاقی زوال میں معاون اور اس کے سرگرم کارکن بن جاتے ہیں، اور فواحش کی تبلیغ و اشاعت میں، بے حیائی اور بداخلاقی کو فروغ دینے میں، تہذیب و حیا کے پرانے نظریات کو بدلنے اور ان کو معیوب قرار دینے اور جرائم و فواحش کو مزین و آراستہ کرنے میں، شیطان کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، یونان و روم اور جدید یورپ کی اجتماعی و اخلاقی اور ادبی تاریخ اس کی شاہد ہے۔

انسان کی آزادی کی اس راہ میں قانون سنگ گراں ثابت ہوسکتا تھا مگر اس کو انسان نے اپنے راستے سے اس طرح ہٹا دیا کہ وہ خود واضع قانون بن گیا، جب قانون کا ماخذ و منبع

(۱) اس کی بہترین مثال امریکہ کی تحریک منع خمر کی ناکامی اور قانون تحریم خمر کی منسوخی ہے، اس تحریک اور قانون کی پشت پر دنیا کی ایک عظیم ترین اور منظم ترین حکومت (ریاستہائے متحدہ امریکہ) بے پایاں دولت و سرمایہ، اعلیٰ علم و تہذیب اور لاانتہا وسائل نشر و تبلیغ تھے، اندازہ ہے کہ شراب کے خلاف نشر و اشاعت کے سلسلہ میں صرف چھ سال کے اندر ساڑھے چھ کروڑ ڈالر صرف ہوئے اور وہ لٹریچر جو شائع کیا گیا وہ نو ارب صفحات پر مشتمل تھا، قانون کی تنفیذ کے سلسلہ میں تیرہ سال کے اندر دو سو آدمی مارے گئے، ۵۳۴۳۳۵ قید کئے گئے۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ کے جرمانے عائد کئے گئے، چالیس کروڑ چالیس لاکھ پونڈ مالیت کی املاک ضبط کی گئیں، لیکن ان انتہائی کوششوں کے باوجود امریکہ کی حکومت و قانون اور اس کے اصلاحی ادارے اور انجمنیں اہل ملک کو قانون کی پابندی اور شراب نوشی سے اجتناب پر آمادہ نہ کرسکیں بلکہ اس کے برعکس ان میں مے نوشی کا جنون پیدا کردیا اور بالآخر چودہ برس کے بعد ۱۹۳۳ء میں جمہوریت کو مجبوراً اس قانون کو منسوخ اور شراب نوشی کو جائز قرار دینا پڑا۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''تنقیحات''، مضمون ''انسانی قانون اور الٰہی قانون'')

بجائے کتاب آسمانی اور وحی الٰہی کے انسانی علم و تجربہ قرار پایا اور قانون ساز بجائے خدا کے انسانوں کی کثرت رائے یا طاقت تسلیم کی گئی تو راستہ کی تمام رکاوٹ دور ہوگئی، انسان کی ترکیب میں شہوانیت اور بہیمیت داخل ہے، وہ فطرتاً بندشوں اور قیود سے آزاد رہنا چاہتا ہے، وہ بالطبع لذت جو، اور عیش پسند ہے، جب اس کے ساتھ خدا کا خوف اور اپنی ذمہ داری کا احساس بھی نہ ہو تو اس کو کونسا محرک ایسا قانون بنانے پر آمادہ کرسکتا ہے جو خود اس پر بندشیں اور قیود عائد کرے، اس کی آزادی سلب کرے اور اس کے عیش کو منغّص کردے، پھر جب یہ قانون ساز انسان ہوں، جن کی پرورش ان متزلزل عقائد، ان معکوس نظریات، اس مسخ شدہ ذہنیت اور ان فاسد اخلاق میں ہوئی ہو جن کا اوپر تذکرہ ہوا، تو ان سے ایسے قانون وضع کرنے کی توقع کہاں تک بجا ہے؟! جو جرائم کا انسداد کرے اور جس میں معصیت اور فواحش اور بداخلاقیوں کے گھسنے کے لئے کوئی رخنہ نہ ہو، ان سے تو یہ توقع رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی قانون سازی کی طاقت اور اپنے اقتدار سے بداخلاقیوں کو سند جواز اور قانونی حیثیت دیں گے، ان کے دور میں بداخلاقیاں قانون بن جائیں گی (۱) اور اخلاق خلافِ قانون قرار پائیں گے۔ مسخ و نیم مسخ شدہ قوموں کی تاریخ میں یہ واقعہ شاذ نہیں ہے کہ بڑے بڑے جرائم رائے عامہ کی طاقت سے جائز و مستحسن اور مقبول عام بن گئے، پاکبازی سوسائٹی کا جرم بن گئی، پاکبازوں کے لئے اس مجرم سوسائٹی میں رہنے کی گنجائش نہ رہی، اور رائے عامہ نے یہی الزام دے کر ان کے اخراج کا مطالبہ کیا کہ :

اَخْرِجُوْا آلَ لُوْطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (۲)

لوط کی جماعت کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ وہ لوگ ہیں جو پاکباز

---

(۱) تاریخ جدید میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ قانون سازی کی طاقت اور کثرت آراء سے بعض ایسے اخلاقی و اجتماعی جرائم جن کی شناعت پر نوع انسانی کا اتفاق ہے، قانوناً جائز قرار دیے گئے، زیادہ دنوں کا واقعہ نہیں، نازی دور سے پہلے کی بات ہے کہ جرمنی میں چھ سال تک عمل قوم لوط کے حق میں پروپیگنڈا کیا گیا، یہ زبردست اصلاحی کام ان بزرگ نے کیا جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے تھے، آخر کار ملک کی مجلس قانون ساز نے کثرت آراء سے یہ پاس کردیا کہ یہ فعل قانوناً جرم نہیں ہے، صرف شرط یہ ہے کہ طرفین راضی ہوں اور معمول کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا ولی ایجاب و قبول کی رسم ادا کردے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے رسالہ ''پردہ'' میں اس کی اور بھی مثالیں ملیں گی۔

(۲) نمل : ۵۶

رہنا چاہتے ہیں۔

نبوت دنیا میں جو تمدن قائم کرتی ہے، اس کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ قانون سازی کا حق انسان کو نہیں دیتی، اس کے تمدن میں انسان گناہ گار تو ہو سکتا ہے اور خلاف قانون بھی کر سکتا ہے، اس کو اس کے تمدن میں اس کی سزا برداشت کرنی پڑے گی، لیکن وہ قانون الٰہی میں ادنیٰ ترمیم کا بھی مجاز نہیں۔ اس کے حلال و حرام، زمین و آسمان اور سورج اور چاند کی طرح پائیدار اور نوامیس فطرت کی طرح غیر متبدل ہیں، بلکہ وہ عین فطرت ہیں جس میں تغیر و تبدل نہیں۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ(۱)

اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کے بنائے ہوئے کو کوئی بدل نہیں سکتا، یہی استوار اور پائیدار دین ہے۔

اس لئے اس کے تمدن میں فواحش و محرمات، معاصی و منکرات، عیش و عشرت کے محرکات، لہو و لعب اور غفلت کے اسباب اور تمام اخلاقی جرائم اور جرائم آفریں اعمال و اشغال ہمیشہ ممنوع رہیں گے، اور جب تک ان کی فطرت اور انسان کی فطرت نہ بدلے (اور ان میں سے کوئی چیز بدلنے والی نہیں) ان کا حکم بھی نہ بدلے گا۔

انسانی قوانین کا مقصد صرف کسی خاص نظام کی تاسیس، امن عامہ کی حفاظت اور اہل مملکت میں نظام قائم کرنا ہوتا ہے، اس لئے وہ انسان کے ان اعمال و اخلاق سے بحث کرتے ہیں جو سوسائٹی اور عام زندگی پر اثر انداز ہوں، ان کو شخصی اخلاق اور اندرونی خرابیوں سے بحث نہیں ہوتی، ان قوانین کی حیثیت ایک معلم اخلاق اور مصلح کی نہیں ہوتی بلکہ پولیس اور مجسٹریٹ کی ہوتی ہے۔

لیکن آسمانی قوانین کا مقصد محض نظم قائم کرنا نہیں ہے، بلکہ انسانوں کو پاکباز اور خدا ترس بنانا ہے، اس لئے ان کے ضوابط میں بعض ایسی چیزیں، ایسے اخلاق اور ایسے مشاغل ممنوع ہوں گے جن کی طرف دنیوی قانون سازوں کا ذہن ہی نہ جائے گا، ان میں ایسے تمام

(۱) روم : ۳۰

رخنے بند ہوں گے جن سے معصیت و بداخلاقی سوسائٹی میں داخل ہوتی ہے، جن سے طبیعتوں میں عیش پسندی آتی ہے، قوم میں تن آسانی اور تنعم پیدا ہوتا ہے، غیر اخلاقی رجحانات اور مجرمانہ میلانات پیدا ہوتے ہیں، جن سے سوسائٹی کو وہ گھن لگتا ہے جو اندر ہی اندر اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، ایسی سب چیزیں ممنوع ہوں گی جو اس کے اخلاقی معیار سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ یا اس کے مذہبی اصول سے موافقت نہیں رکھتیں۔ اس کا تمدن موسیقی کی ہمت افزائی نہیں کرے گا، لہو ولعب اور تفریح میں انہماک کو پسند نہ کریگا، زینت وتفاخر اور مال ودولت کے مقابلہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھے گا، یہاں تک کہ بے سود اور غیر ضروری تعمیرات، جن کا مقصد شان وشوکت کے اظہار اور لطف وتفریح کے سوا کچھ نہ ہو، اس تمدن میں مذموم ہوں گی، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال مطلق اور ان کے زیورات اور ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع ہوگا، تصاویر اور پتھر کے بت اور انسانی مورتیں مطلقاً حرام اور ممنوع ہوں گی۔

انسانی قوانین میں صرف لفظی پابندی ضروری ہوتی ہے اور جرائم سے مانع صرف سزا یا پولیس کا خوف ہوتا ہے، جہاں یہ موانع موجود نہ ہوں، وہاں جرائم کے ارتکاب میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، دلوں میں قانون کی عظمت اور اس کا احترام نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے جن کی تقدیس کا کوئی تخیل لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوتا، اکثر قانون ساز اقتدار اور قانون سازی کے منصب پر اپنی ذکاوت یا دولت یا طاقت یا انتخابی کوششوں کی وجہ سے قابض ہوجاتے ہیں اور اخلاقی حیثیت سے ان کی سطح اور اصولی حیثیت سے ان کی سیرت عام لوگوں کے مقابلہ میں کچھ بلند نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات وہ سخت بداخلاق، بے اصول، طامع، رشوت خوار اور رذیل ہوتے ہیں، اس لئے بعض اوقات تو وہ اپنے اغراض وفوائد کے لئے اپنی کمزوریوں اور بداخلاقیوں کو قانونی سند دینے کے لئے اور بعض اوقات عوام اور رائے دہندوں کی خوشامد کے لئے خلاف اصول قوانین بناتے ہیں اور ان میں حسب مصلحت وخواہش ترمیمیں کرتے رہتے ہیں، عوام ان کے قوانین کو بجبر قبول کرتے ہیں اور ان میں ایک بڑا طبقہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی

ذکاوت اور حیلہ جوئیوں سے ان کو عاجز کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور قانون اور اہل ملک کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے۔

اس کے برخلاف وحی و رسالت کا لایا ہوا قانون، خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اسی درجہ مقدس اور قابل عزت ہوتا ہے جس درجہ ان کا مذہبی صحیفہ اور خود ان کا پیغمبر۔ وہاں اس کو اپنی ہوشیاری سے ہرانے، عاجز و مغلوب کرنے اور اس کو تنگ اور دق کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کہ یہ عمل عین کفر اور بغاوت ہے۔

وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٍ ○ (۱)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ہرانے کی کوشش کی ان کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔

وہاں صرف قانون کی لفظی پابندی اور ظاہری و جسمانی شکل کافی نہیں، بلکہ پابندیٔ قانون کی روح بھی ضروری ہے، کیونکہ قانون ساز اور حاکم (اللہ) غیب سے واقف ہے، ظاہر اور باطن سے آگاہ ہے، اور اس کو ظاہری قانونی پابندی سے دنیا کے حاکموں کی طرح دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ. (۲)

ان قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے۔

جو قانون ان خصوصیات کا مالک ہوگا، اس کے تمدنی اثرات کیا ہوں گے؟ وہ سوسائٹی میں کس درجہ کی پاکبازی، طہارت و عفت، امانت و دیانت، تہذیب و حیاء پیدا کرے گا؟ اور جب ان لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت آئے گی اور ان کو زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوگا، جو مذہب و اجتماع و اخلاق اور معاشرت و تہذیب کے بارہ میں ایسے ثابت شدہ حقائق، ایسے غیر متزلزل عقائد رکھتے ہیں جو ان کو علم و اطلاع کے ابدی اور دائمی، صاف اور محفوظ سرچشمہ سے حاصل ہوئے ہیں، اور جو فطرت کے اٹل قوانین کی طرح غیر متبدل اور غیر منسوخ ہیں، جن کی تربیت ان اخلاق میں ہوئی جو انسانی ہوا و ہوس سے پاک

(۱) سورۂ سبا : ۵ (۲) سورۂ حج : ۳۷

اور خدا کی صفات کا پرتو ہیں، جن کا قانون، شریعتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے، جو قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ (عدل وانصاف کے ذمہ دار اور ملتزم اور اللہ کے گواہ) ہیں، تو ان کی حکومت واقتدار کے نتائج وثمرات کیا اس سے مختلف ہوں گے؟ جس کی قرآن نے پیشین گوئی کی ہے :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ،(۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں صاحب اقتدار کریں تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔

اور ان سے طبعی طور پر جو تمدن اور طرزِ زندگی وجود میں آئے گا، کیا اس کی پاکبازی اور بلندی میں کسی کو شک ہوسکتا ہے؟ اس کے برخلاف جو تمدن ان لوگوں کے ہاتھوں قائم ہو، اور جو سوسائٹی ان کے ذریعہ وجود میں آئے، جو مذہب، اخلاق واجتماع اور تہذیب انسانی کے یا تو سرے سے کچھ حقائق ومسلمات ہی نہ رکھتے ہوں یا ان کے پاس چند ذوقیات اور وجدانیات ہوں، جن کی تقویم سورج کی گردش کے ساتھ بدلتی رہتی ہو، جن کے پاس خیر وشر اور مذموم ومستحسن کی تمیز کے لئے کوئی پائیدار معیار اور اخلاقی قدروں کے وزن کرنے کے لئے کوئی عادل میزان نہ ہو، جن کے یہاں اخلاق، اغراض ومصالح کا نام ہو اور جن کا قانون خود انہیں کا بنایا ہوا اور ان کے علم وتجربہ اور ضرورت ومصلحت کے تابع ہو، جن کی حکومت شخصی یا نسلی یا قومی اقتدار کا ذریعہ اور اس کی خادم ہو، اور اس کا دنیا میں کوئی اصلاحی مشن نہ ہو، جس کی بنیاد کسی اصول اور اخلاقی فلسفہ پر نہ ہو، تو اس تمدن اور اس سوسائٹی میں کیا انسان کو اپنی فطرت کا منشا پورا کرنے اور اپنے کمال مطلوب تک پہنچنے میں امداد مل سکتی ہے؟ اور اگر اس نے کچھ عمر پائی، اور اس کی جڑیں زمین میں گہری چلی گئیں تو کیا انسان اپنی فطرت اصلی پر قائم بھی رہ سکے گا؟ اور اس کو اپنا کمال مطلوب یاد بھی رہے گا؟ اس تمدن کو انسانی تمدن کہنے کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ ان لوگوں نے قائم کیا ہے جو اپنی شکل وصورت میں انسان ہیں، اگرچہ وہ اپنے طرز زندگی میں بے جان مشینیں، اپنی ذہنیت اور تربیت کے لحاظ سے بے شعور

---

(۱) سورۂ حج : ۴۱

جانور اور اپنے مشاغل و اعمال کے لحاظ سے خوں خوار درندے ہیں۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب

انبیاء کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم الیقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہا دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا پورا پورا دار و مدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے، بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات، سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہی ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماخذ و منبع ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انھوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم و امت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی، اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درندگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیائے کرامؑ نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قساوت و بہیمیت کو رحمت و رأفت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل و متواتر جدو جہد کی، عیش و آرام کی پروا نہیں کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل و جانکاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کر کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی و رعنائی آ گئی، جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انہیں برگزیدہ، مثالی اور قابل تقلید نفوس کی

برکت سے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہو گیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

انسانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کی ارتقاء پر اس مبارک و مقدس طبقہ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف و عنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن اور ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایات کے زیر سایہ، حیات انسانی کے بقا کا امکان ہے اگر انبیاء کرامؑ نہ ہوتے تو انسانیت کا سفینہ اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب و تمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور روئے زمین پر انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوڑ کلیلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہنچانتے، نہ دین و اخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت و محبت کا احساس رکھتے اور نہ آب و دانہ یا گھاس چارہ سے بلند کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار، لطیف و نازک احساسات، بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پر خلوص اصحاب و متبعین ہی پر ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے ابد تک) ان کے دستر خوان کی ریزہ چینی پر مجبور رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی۔

ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار بار درود اور سلام ہے

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے

دین وشریعت کے بارے میں انبیاءؑ کی غیرت واستقامت

انبیائے کرامؑ ان عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور اور ذکی الحس واقع ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضا کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم یا تغیر وتبدل گوارہ کرلیں، ان کے یہاں مداہنت، اور تبدیلیٔ موقف کی گنجائش نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر (ﷺ) کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ (۱)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے، وہ سنا دو، اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

نیز ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ، وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ، وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. (۲)

اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے، اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

نیز فرمایا:

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡھِنُ فَیُدۡھِنُوۡنَ ۝ (۳)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو۔ تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا موقف توحید بلکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد، حتیٰ کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں بھی لچک دار اور مصالحانہ موقف نہ تھا، جو سیاسی قائدین کا (جو بزعم خود اپنے کو حقیقت پسند اور عملی انسان سمجھتے ہیں) ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے۔ شہر طائف کے فتح ہو جانے کے بعد، قریش کے بعد، عرب کے دوسرے سربرآوردہ قبیلۂ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اور یہ درخواست

(۱) الحجر : ۹۴ (۲) المائدہ : ۶۷
(۳) القلم : ۹

کرتا ہے کہ لات نامی صنم کو (جس کی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھا) تین سال تک اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف انکار فرما دیتے ہیں، وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ مسلسل انکار فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر اُتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ان کی آخری درخواست قبول فرمانے کے بجائے ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلۂ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبد کو ڈھا دیں، اہل وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں نماز سے معاف رکھا جائے۔ آپ فرماتے ہیں، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں، اور ان کے ساتھ ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی جاتے ہیں، اور لات کو ڈھا دیتے ہیں اور پورے قبیلۂ ثقیف میں اسلام پھیل جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے۔ (۱)

انبیائے کرامؑ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت، اور اپنی تفہیم و مکالمہ میں وہی اسلوب اور وہی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جو ان کی دعوت کی روح، اور نبوت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، وہ کھل کر اور پوری وضاحت کے ساتھ آخرت کی دعوت دیتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں، اور جنت و دوزخ دونوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں، گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں، وہ عقلی دلائل و براہین اور مصالح و مفادات کے بجائے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان کا عہد بھی مادّی فلسفوں اور نظریات سے (جو ان کے عہد کی سطح اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں) یکسر خالی نہیں ہوتا، اس عہد میں بھی کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکۂ رائج الوقت ہے اور انہیں کا اس دور میں چلن ہے، لیکن لوگوں کو قریب کرنے اور اپنی

(۱) زاد المعاد - ج ۱ ص ۴۵۸ - ۴۵۹ / باختصار۔

طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ تعالیٰ پر اس کی صفات و افعال کے ساتھ، ملائکہ پر، تقدیر پر، (شر ہو یا خیر) موت کے بعد اٹھائے جانے پر، ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی دعوت قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں اس نبویؐ مزاج و منہاج، اور طریقۂ کار کی بہترین مثال بیعتِ عقبۂ ثانیہ کا واقعہ ہے، جب اہل یثرب کی ایک تعداد جن میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں، حج کے لئے مکہ معظّمہ آئے اور عقبہ کے پاس وادی میں اکٹھا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے ساتھ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تشریف لائے، آپؐ نے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں، خدائے واحد کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ تم سے میں یہ عہد اور بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ حفاظت اور خیال کا وہی معاملہ کرو گے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کرتے ہو۔ انصار نے بیعت کی اور آپ سے یہ وعدہ لیا کہ آپ ان کو چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس نہ جائیں گے۔ وہ زیرک اور دانا تھے، اور اس عہد و پیمان کے دور رس اور خطرناک نتائج سے بخوبی واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام قریبی قبائل، بلکہ پورے ملک عرب سے دشمنی مول لے رہے ہیں، ان کے ایک جہاں دیدہ تجربہ کار رفیق (عباس بن عبادہ انصاریؓ) نے بھی ان کو مزید ان نتائج سے آگاہ اور ہوشیار کیا، لیکن انھوں نے جواب میں بیک زبان کہا کہ ہم مال و منال کے نقصان، اور اپنے سربرآوردہ افراد خاندان کے قتل و ہلاک ہو جانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے آپ کو لے جا رہے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ملتفت ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ہم نے وعدہ وفا کر دکھلایا تو ہمیں کیا ملے گا؟

ایسے نازک موقعہ پر اگر خدا کے پیغمبر کی جگہ کوئی سیاسی لیڈر، کوئی قومی رہنما، یا محض سیاسی سوجھ بوجھ کا کوئی انسان ہوتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ افتراق و انتشار کے بعد اب تمہاری شیرازہ بندی ہوگی، ایک قبیلہ کی معمولی حیثیت کے بعد اب پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم کیا جائے گا اور تم ایک طاقت بن کر اُبھرو گے۔ یہ کوئی خیالی اور ناقابل قیاس بات نہ

تھی، بلکہ تمام علامات وقرائن، اس کے امکان اور امر واقعہ بننے پر دلالت کرتے تھے، خود ان اہل یثرب میں سے ایک کہنے والے نے اس سے پیشتر کہا تھا کہ :

> ''ہم اپنی قوم کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ شاید ہی کسی قوم میں ایسی دشمنی اور انتشار ہو جیسا ہماری قوم میں ہے، ہمیں امید ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے ذریعہ ان کی شیرازہ بندی کرے، اب ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپ کی یہ دعوت ان کے سامنے پیش کریں گے، اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو بھی اس کی دعوت دیں گے، اگر خدا تعالیٰ آپ کی ذات پر ان کو مجتمع فرمادے تو آپ سے بڑھ کر کوئی صاحب اقتدار اور باعزت وشوکت شخص نہ ہوگا۔''(۱)

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس سوال کے جواب میں کہ ''اے اللہ کے رسولؐ پھر ہمیں کیا ملے گا؟'' صرف اس پر اکتفا فرمایا کہ ''جنت''۔ اس وقت انھوں نے عرض کیا کہ حضور دست مبارک دراز فرمائیے۔ آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا اور انھوں نے بیعت کرلی۔(۲)

اسی غیرت اور کار نبوت کی تکمیل کا اثر ہے کہ پیغمبر کسی شرعی حکم میں کسی تبدیلی کے نہ روادار ہوتے ہیں، اور نہ کسی حکم پر عمل کسی کی سفارش اور اثر سے موقوف وملتوی رکھتے ہیں، وہ قریب و بعید، یگانہ و بیگانہ سب پر یکساں طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے حدود واحکام کا نفاذ کرتے ہیں، چنانچہ قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک خاتون کے بارے میں، جس سے چوری کا جرم سرزد ہوا تھا، اسامہ بن زیدؓ (جن پر رسول اللہ ﷺ کی خاص شفقت وعنایت تھی) سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ''کیا اللہ کے متعین کردہ حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا، ''اے لوگو! تم سے پہلے امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی باوجاہت شخص اور خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ قسم ہے خدائے پاک کی، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ق ا ص ۴۲۹ (۲) ایضاً ص ۴۴۶

کروں گا۔"(۱)

یہی وہ غیرت ہے جو انبیاء کرام کے اصحاب و تابعین میں منتقل ہوئی، انھوں نے بھی کامیابی اور ناکامی اور سود و زیاں سے آنکھیں بند کر کے قرآنی تعلیمات، شرعی احکام، اور اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کی۔ تاریخ میں اس کی شاندار مثال فاروق اعظمؓ کا وہ واقعہ ہے، جو جبلہ ابن ایہم غسانی کے ساتھ (جو شاہانِ آل جفنہ کے سلسلہ کی اہم کڑی تھا) پیش آیا، وہ قبیلہ عکّ وغسّان کے پانچ سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا، جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو کوئی دوشیزہ اور پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی، جو اس کو اور اس کے زرق برق لباس کو دیکھنے کے لئے نہ نکل آئی ہو، اور جب حضرت عمرؓ حج کے لئے تشریف لے گئے تو جبلہ بھی ساتھ گیا، وہ بیت اللہ کا طواف کر ہی رہا تھا کہ بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے لٹکتے ہوئے تہبند کی کور پر پڑ گیا اور وہ کھل گیا۔ جبلہ نے ہاتھ اٹھایا اور فزاری کی ناک پر زور کا تھپڑ مارا۔ فزاری نے حضرت عمرؓ کے یہاں نالش کی، امیر المؤمنین نے جبلہ کو بلا بھیجا، وہ جب آیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ ہاں! امیر المؤمنین اس نے میرا تہبند کھولنا چاہا تھا، اگر کعبہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں اس کی پیشانی پر تلوار کا وار کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نے اقرار کرلیا، اب یا تو تم اس شخص کو راضی کرلو، ورنہ میں قصاص لوں گا۔ جبلہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس سے کہوں گا کہ تمہاری ناک پر ویسے ہی ضرب لگائے جیسی تم نے اس کی ناک پر لگائی۔ جبلہ نے حیرت و استعجاب سے کہا کہ امیر المؤمنین! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے، اور میں اپنے علاقہ اور قوم کا تاجدار ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو برابر کر دیا، اب سوائے تقویٰ اور عافیت کے کسی اور چیز کی بنیاد پر تم اس سے افضل نہیں ہو سکتے۔ جبلہ نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں اسلام قبول کر کے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ باعزت و باعتبار ہو جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ باتیں چھوڑو، یا تو اس شخص کو راضی کرو ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے جب حضرت عمرؓ کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا کہ مجھے آج رات غور کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی۔ رات کے سناٹے اور لوگوں کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حدّ السرقة و نصابها.

لاعلمی میں جبلہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ صبح مکہ میں اس کا پتہ نشان نہ تھا۔ ایک زمانہ کے بعد جب جثامہ بن مساحق کنانیؓ سے جو اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے شاہانہ کروفر کے حالات سنے تو صرف یہ فرمایا ''وہ محروم رہا۔ آخرت کے بدلہ میں دنیا خرید لی، اس کی تجارت کھوٹی رہی۔''(۱)

حکمتِ دعوت

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیائے کرام دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں حکمت سے کام نہیں لیتے، اور لوگوں سے ان کے فہم و ادراک کے مطابق بات نہیں کرتے، حاشا وکلاّ، یہ تو قرآنی نصوص، اور سیرت طیبہ کے بیسیوں واقعات کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ، (۲)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتادے۔

زبان کا مفہوم یہاں چند جملوں اور الفاظ میں محدود نہیں، وہ اسلوب، طرزِ کلام، اور طریق تفہیم سب پر حاوی ہے۔ اس کا دل کش نمونہ حضرت یوسفؑ کی جیل میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پند و موعظت، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے دور کے بادشاہوں سے مکالمے میں نظر آتا ہے، (۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ اور آپؐ کے توسط سے قرآن کے ہر قاری، اور اسلام کے ہر داعی و مبلغ کو یہ ہدایت فرمائی ہے :

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِيۡ هِيَ اَحۡسَنُ. (۴)

اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی

---

(۱) فتوح البلدان بلاذری باختصار ص۱۴۲، وتاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۸۱

(۲) ابراہیم : ۴

(۳) اس موعظت و مکالمہ کے نفسیاتی اور بیانی وادبی تجزیہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''دعوت و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب'' شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ لکھنؤ

(۴) نحل : ۱۲۵

طرف بلاؤ اور بہت اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کو جب دعوت و تبلیغ کی مہم پر روانہ فرماتے، تو نرمی، شفقت، سہولت و آسانی پیدا کرنے اور بشارت دینے کی وصیت فرماتے، آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وصیت فرمائی "یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرا، بَشِّرَا وَلَا تُنفِّرا" (آسانی پیدا کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا، متوحّش نہ بنانا۔)

اور خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ. وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، (۱)

(اے محمدؐ) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے، اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے بالعموم فرمایا "إنّما بُعِثتم مُيسِّرين ولم تُبعَثوا مُعسِّرين" (۲) (تمہیں آسانی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں اٹھایا گیا ہے۔)

اس سلسلہ کے نصوص و دلائل بے شمار ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ (۳) انبیائے سابقین کی بھی یہی امتیازی شان رہی ہے۔ متعدد انبیاء کا ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا :

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ. (۴)

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی صلاحیت اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور تیسیر کا تعلق تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل سے تھا،

---

(۱) آل عمران : ۱۵۹ (۲) بخاری ج ۱ ص ۳۵
(۳) اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱ کے "باب التیسیر" کا مطالعہ کیا جائے۔
(۴) انعام : ۸۹

جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں، جن باتوں کا تعلق اجتماعی اور حدود اللہ سے ہے، ان میں ہر دور کے انبیاء کرام فولاد سے زیادہ بے لچک اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

انبیاءؑ کی اطاعت وتقلید پر قرآن کا زور

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء کی اتباع، ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گذارنے، اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کہتا ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ۝ (۱)

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونۂ عمل ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت سے پُر امید ہے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر یہ دعا مانگتے رہیں کہ :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ۝ (۲)

اے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے، نہ کہ ان کی راہ جو تیرے مغضوب ہیں، اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے انعام سے سرفراز بندوں کے سرگروہ انبیاء اور رسول ہی ہیں، اس دعا کو نماز میں بھی شامل کر دیا گیا، جب بھی انسان اس دعاء کے قوانین کی پیروی، اور ان انعام یافتہ بندوں کی سیرت وصورت میں مشابہت کرے گا تو خدا سے قریب اور اس کے نزدیک معزز ہوگا۔

انبیاءؑ کا احترام اور ان سے محبت

قرآن، انبیاء کے لئے اس اعزاز واحترام اور توقیر واکرام کا طالب ہے جو قلب کی

---

(۱) احزاب : ۲۱ (۲) فاتحہ : ۵ تا ۷

گہرائیوں کی پیداوار ہو، اوران سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور صرف ان کی اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات، محبت اور تعظیم سے خالی ہو، جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ، اور دوسرے فوجی وسیاسی لیڈروں کے ساتھ عوام کا ایک رسمی تعلق ہوتا ہے، قرآن مومن سے زکوٰۃ وصدقات کے محض فرائض کی ادائیگی اور احکام کے ضابطہ کی تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مطالبہ یہ بھی ہے :

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ. (۱)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرو اور اس کی عزت و تعظیم کرو۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ. (۲)

جو اس رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد کی۔

اسی لئے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں ان کی عزت وحرمت کی حفاظت ہوتی ہو، اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو اور جس سے ان کی عزت مجروح، ان کی شان گھٹتی، اور ان کی بڑائی کم ہوتی ہو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ، وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُوْلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ (۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے مقابلہ پر بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہ وہی ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لئے ہیں، انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

---

(۱) فتح : ۹ (۲) الاعرف : ۱۵۷
(۳) حجرات : ۳/۲

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً. (۱)

اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔

اسی لئے نبیؐ کی وفات کے بعد امت پر ان کی ازواج حرام کردی گئیں۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُوْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْآ اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَبَداً، اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْماً○ (۲)

تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو، اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کرو، یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان، مال اور آل واولاد کے مقابلے پر ترجیح، کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

"لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین."

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے باپ، اس کے لڑکے اور تمام لوگوں کے مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور اوسط میں "من نفسه" کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

اور اسی طرح فرمایا گیا:

"ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الإیمان. من کان الله ورسوله أحب إلیه مما سواهما. الخ"

جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پا سکا ہے، ایک وہ جس کے لئے اللہ اور اس کا رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انبیائے کرامؑ جن کے سرگروہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، ان کا مخلوق سے اور ان قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں چٹھی رساں (پوسٹ مین) اور ڈاکیہ جیسا تعلق نہیں ہوتا، جس کی

(۱) النور : ۶۳ (۲) الاحزاب : ۵۳

ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خطوط اور ڈاک مرسَل الیھم تک پہنچا دے، پھر اسے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں، اور ان لوگوں کو اس درمیانی واسطہ اور قاصد سے کوئی مطلب نہیں، وہ اپنے کاموں اور اختیارات میں بالکل آزاد ہیں، اور ان قوموں کا تعلق جن کی طرف انبیاء کرام مبعوث ہوئے، اپنے انبیاء اور رُسل سے محض وقتی اور قانونی تعلق ہوتا ہے، ان کو ان کی سیرت، طور طریق، ذوق و رجحان اور ان کی انفرادی و عائلی زندگی سے کوئی دل چسپی نہیں، یہ وہ غلط، بے بنیاد اور ادھورا تصور ہے جو ان حلقوں میں رائج تھا جو نبوت و انبیاء کے بلند مقام سے ناواقف تھے، اور ہمارے اس دور میں ان حلقوں میں پھیلا ہوا ہے، جو مقام سُنّت سے ناواقف اور حدیث اور اس کی حُجّیت کے منکر ہیں، اور جن پر مذہب کے مسیحی تصورات کا اثر، اور مغربی طرزِ فکر کا غلبہ ہے۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل، اعلیٰ قابلِ تقلید نمونہ، اور اخلاق، ذوق و رجحان، ردّ و قبول، اور وصل و فصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں، وہ موردِ عنایاتِ الٰہی اور مرکزِ الطاف و تجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات اور ان کی زندگی کا طور و طریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں، زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات، انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں، ان کے اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں، ان کی عادتیں، اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔ انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں، وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے، اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں۔ ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، ان کا اختیار کرنا، اور ان کے اخلاق کی جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت و رضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست، اور دشمن کا دوست، دشمن سمجھا جاتا ہے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ

---

(۱) آل عمران: ۳۱

ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۱)

اے پیغمبر (لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی طرف دل کا میلان، ان کے طریقِ حیات کی ترجیح، اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے، فرمایا گیا:

وَلَا تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ، ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (۱)

اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو دوزخ کی آگ آ لپٹے گی، اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں، (اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہوگئے) تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔

اِن پیغمبرانہ مخصوص عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں "خصالِ فطرت" اور "سُنَنُ الہُدیٰ" ہے، جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے، ان اخلاق و عادات کا اختیار کرنا، لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اور یہ وہ رنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً، وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲)

(کہدو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے، اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ایک عادت کی دوسری عادت، ایک اخلاق کے دوسرے اخلاق، ایک طور طریق کے دوسرے طور طریق پر دین و شریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے، اسی وجہ سے اس کو شریعت اسلامی، اہلِ ایمان کا شعار، فطرت کے تقاضا کی تکمیل، اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرت سلیم سے انحراف، اور اہلِ جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے، اور ان دونوں طریقوں اور راستوں

---

(۱) ہود : ۱۱۳ (۲) بقرہ : ۱۳۸

میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل و خرد رکھنے والے متمدن انسان ہیں، اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے، دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں۔ اس اصول کے تحت کھانے پینے، کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں، اور یہ سنت، سنت نبویؐ اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔ (۱)

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، آپؐ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے، جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے، صحیح حدیث میں آیا ہے:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون احبَّ إلیہ من ولدہ ووالدہ والناس أجمعین." (۲)

اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

دوسری حدیث میں ہے:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من نفسہ" (۳)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہوگا، جب تک میں اسے اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ و محتاط رہنے کی ضرورت ہے، جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات و احساساتِ محبت میں افسردگی، سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری، اور آپ کو "دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل" سمجھنے میں تردد، اور سیرت و حدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں۔ سورۂ احزاب، سورۂ حجرات، اور سورۂ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصبِ نبوتؐ اور اس کے بلند مقام حاملین" ص ۱۱۸-۱۲۰

(۲) بخاری و مسلم (۳) مسند احمد

اور تشہد و نماز جنازہ میں درود و صلوٰۃ کی شمولیت پر غور و فکر، قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے، جس کو صرف قانونی اور ضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے، اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ پاس و ادب، محبت اور تشکّر و امتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے، جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں اور جو رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو، اسی پُر محبت احترام، اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے ''تعزیر'' و ''توقیر'' کے لفظ سے ادا کیا ہے:

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ. اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو۔

اس کی تابندہ اور روشن مثالیں غزوۂ رجیع کے موقعہ پر حضرت خُبیب بن عدیؓ اور زید بن الدثنہؓ کے واقعہ، غزوۂ اُحُد کے موقعہ پر ابو دجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کے طرز عمل، غزوۂ احد میں بنی دینار کی مسلمان خاتون کے جواب، صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ محبت اور ادب و احترام میں دیکھی جاسکتی ہیں، جن کی بناء پر ابوسفیانؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ ''میں نے کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ سے محبت کرتے ہیں'' اور قریش کے قاصد عُروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ ''قسم بخدا میں نے کسریٰ اور قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کی ایسی عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی عزت کرتے ہیں۔'' (۱)

---

(۱) پورے واقعات سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائے جائیں، زید بن الدثنہ کو جب قتل گاہ میں لے جایا جا رہا تھا، تو ابوسفیان نے ان سے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمدؐ تمہاری جگہ پر ہوں، اور تم اپنے گھر میں مامون و محفوظ ہو؟ حضرت زید نے کہا ''خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمدؐ جہاں ہیں، وہیں ان کے کوئی کانٹا بھی چبھے، اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں'' (سیرت ابن ہشام ق ۲ ص ۱۷۲) بنی دینار کی ایک مسلمان خاتون کے شوہر، بھائی اور باپ، غزوۂ احد میں کام آئے، جب ان کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی، تو ان کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ الحمدللہ آپ خیریت سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے دیدار کرا دو، جب ان کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی تو بول اٹھیں ''آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے'' (ابن ہشام) ابو دجانہؓ نے اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ڈھال بنا دیا (بخاری) اور حضرت ابوطلحہ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنا دیا یہاں تک کہ وہ حرکت و استعمال کے قابل نہیں رہا۔ (الاصابہ)

اس عشق رسول سے ان علمائے راسخین، مصلحین ومجددین، زعماء وقائدین کو بہرۂ وافر ملا جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا اور جن کے مقدر میں دین و ملت کے احیاء وتجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا۔ اس پاک محبت کے بغیر جو شرعی احکام و آداب کے تابع واسوۂ صحابہؓ کے اتباع وتقلید کے ساتھ ہو، اسوۂ رسولؐ کی کامل پیروی واتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کا دیانت دارانہ محاسبہ اور ''عسر ویسر'' اور طبیعت کی آمادگی و گرانی (منشط ومکرہ) میں خدا ورسول کی فرمانبرداری ممکن نہیں، یہی (کثیر النوع) نفسیاتی امراض کا علاج، تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا مؤثر ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر خس و خاشاک کو بہالے جاتی، اور رگ وریشہ، اور جسم وجان میں اس طرح دوڑ جاتی، اور جذب ہو جاتی ہے۔

ع شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا اور سول کے عشق کی بدولت شعلۂ جوّالہ تھے، اس کے بغیر چوب خشک اور سرد خاکستر بنے ہوئے ہیں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت ہی میں قوم کی فلاح ہے

امتوں کی تقدیریں، ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع وانقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے، ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت وذلت ہر حال میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں۔

چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں، عقل ووسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات وحوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ نبیؐ کی اتباع، اس سے محبت، اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت واہمیت کے حصول کے لئے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہی پر بھروسہ کرتی ہے، تو اس کا انجام ذلت و

ناکامی، داخلی انتشار، اور دیر سویر رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

رسالت محمدیؐ کی عظمت اور انسانیت کو اسکی ضرورت

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیر پیمانہ پر یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ پوری نوع انسانی خودکُشی پر آمادہ نہیں، کمربستہ ہے، جیسے خودکشی کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے، ساری دنیا میں خودکُشی کی تیاری ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورتِ حال کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصوّر، ادیب و مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا وہ فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ، اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا، وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (۱)

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھنچ سکی، وہ نہ صرف قابلِ معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورتِ حال اتنی سنگین، اتنی نازک، اتنی مُہیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان وادب کی بڑی سے بڑی قدرت وصلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں۔ کوئی مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے؟! دورِ جاہلیت، جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، کیا وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ تھا؟ خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم وذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی، عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم واستبداد، معاشی استحصال، جابر وظالم حکومتوں، ظالمانہ نظاموں اور غیر

---

(۱) آل عمران : ۱۰۳

منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ در گور کررہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان، انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے کچھ سنگ دل اور قسیُّ القلب لوگ اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم، اور خیالی ننگ و عار سے بچنے کے لئے ایک خودساختہ تخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بنا پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کردینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادرِ گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی۔ وہ دور ختم ہوچکا، اب اس کو کیسے لاکر سامنے کھڑا کردیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے دیکھا تھا، وہی اس کی حقیقت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک وقوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا۔ مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا۔ اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کررہا ہے، ایک حسین و جمیل پیکر، ایک فربہ وتوانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو محسودِ ملائکہ ہے، اور مقصودِ آفرینش، جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں، ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے، جس کی کوئی تھاہ نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار کھڑا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آرہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیریوں میں غائب ہوجائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورتِ حال کا اندازہ ہوسکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا. (۱)

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

(۱) آل عمران : ۱۰۳

’’میری اس دعوت و ہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گردوپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیٰحدہ کرتا ہوں۔‘‘ (۱)

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار لگایا جائے، جب انسان اپنے صحیح ’’موڈ‘‘ میں آجائے گا، جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہوجائے گا تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا، جن کی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے بہی خواہوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچالیا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ، کوئی دبستانِ فکر، ان کے احسان سے سُبک دوش نہیں۔ سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منّت ہے۔ انسانوں نے زبانِ حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہوگئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت ورحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انھوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی مِسل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کرچکے تھے۔

جب تمدّن اپنے حدود سے تجاوز کرجاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کردیتا ہے، جب انسان اپنی سِفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کردیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیئے اور چیتے کا دل پیدا ہوجاتا ہے، جب اس کے جسم میں ایک فرضی معدہ اور ایک لامحدود نفسِ اَمّارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرتِ خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جرّاح پیدا کرتی ہے۔

پیدا   جنوں   اندازِ   مُلوکیت   ہے   کرتی

---

(۱) صحیح بخاری (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸)

اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدّن سے بدل دیجیے کہ تمدّن کا بگاڑ اور تمدّنی جنون، ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہوجاتا ہے تو محلّہ کی نیند حرام کردیتا ہے اور سارا محلّہ عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے، آپ تصوّر کیجیے کہ جب نوع انسانی پاگل ہوجائے اور جب تمدّن کا قوام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہوجائے تو اس کا کیا علاج ہے۔

جاہلیت میں تمدّن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفّن ہوگیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، انسان، نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا جو جام وسُبُو میں، اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوش نما منظر میں نہیں آتا تھا۔ آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات، نظم ونسق اور قانون سازی اور تہذیب کے دنیا میں ڈنکے بجے، یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اہل روما کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ، فرحت افزا اور مست کردینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیرزنی یا خوں خوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن (Gladiator) جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔" (۱)

رومی عہد کی سیّافی، جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت وسنگ دلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا، "تاریخ اخلاق یورپ" کے مصنف "لیکی" ان کھیلوں کی ہردلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "سیّافی کی یہ مقبولیت ودل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مجتمع ہوگئے تھے، اتنے کسی دوسرے ملعبہ میں نہ تھے، لق و دق اکھاڑہ، امراء و اعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں،

---

(۱) ملاحظہ ہو لیکی کی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" (History of European Morals by Lecky)

تماشائیوں کا انبوہ کثیر، ان کے ذوق وشوق کا اثر متعدّی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی، اسّی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتی، اس کی آواز سے شہر کیا معنی، مضافاتِ شہر تک گونج اٹھتے، جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا، عدیم المثال جرأت و بے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شئی تخیل کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے، اور ان کی مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔

ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے، لیکن یہ سیلاب اتنا پُر زور تھا کہ کوئی بندا سے روک نہیں سکتا تھا۔" (۱)

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان، انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا :

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ. (۲)

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دَور بلکہ قیامت تک پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، دعوت اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے۔ آپؐ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپؐ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کردے، اس تلوار کو ہٹالیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنھوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزلِ سفر عطا کی، اور ان کی برکت سے انسانیت، تہذیب وتمدن، علم و فن، روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے نوع انسانی کی ہدایت واصلاح اور انسانیت کی تعمیر و ترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

---

(۱) تاریخ اخلاق یورپ ص ۲۳۰ (ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

(۲) انبیاء : ۱۰۷

آپؐ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی، اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلفسہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو بارہا غلام بنایا، عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے، اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور و ذلیل، بے حس وحرکت، بے جان ومردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح وشیاطین اور مظاہر قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انہیں سے خوف وامید اور انہیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بُزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپؐ نے اس کو ایسے خالص، بے آمیز سہل الفہم، حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالقِ کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہوگیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارساز حقیقی، حاجت روائے مطلق، اور نافع وضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی وعبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف ورجا اور ہر طرح کے تشتّت وانتشار سے محفوظ ہوگیا، اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا محکوم اور فرماں بردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہوچکی تھی۔

بعثت محمّدی کے بعد ہر طرف سے اس عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم و مجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار وخیالات پر اس کا کم وبیش اثر پڑا۔ وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ وریشہ میں شرک اور تعدّدِ آلہہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی لَے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے۔ وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور ان کی ایسی

فلسفیانہ تشریح کرنے لگے جس سے ان پر شرک و بدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے۔ ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد، احساس کمتری (Inferiority Complex) میں مبتلا ہوئے، اس محسنِ اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپؐ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدتِ انسانی کا وہ تصوّر ہے، جو آپؐ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا، وحدت و مساوات کا کوئی تصوّر نہ تھا، آپؐ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔

> أيها الناس إنَّ رَبَّكُم واحدٌ و إن اباكم واحدٌ، كلكم لآدم و آدم من تراب، إن أكرمكم عند الله أتقاكم، و ليس لعربي على عجمي فضل إلا بالتقویٰ. (۱)
>
> لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے، اور جس کے سایے کے نیچے انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ اشتراکِ عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے۔ یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کے خالق و صانع کی وحدت۔ اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت۔ اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب

---

(۱) کنز العمال۔

انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے۔ دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، (۱) دوسرے الفاظ میں ''توحیدِ رب'' اور ''توحیدِ اب'' کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے ''الرب واحد والاب واحد'' رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (موڈ) میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہو جاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو پردوں میں رکھ کر چھو لیتے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھو لے تو جسم میں اس کا کرنٹ دوڑ جاتا، اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے، آج علم وفہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام، مصلحین اور داعیانِ اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روز مرہ کی حقیقت بنا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوق انسانی کا منشور (Human Rights Charter) شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساواتِ انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے، اور کوئی اس کو سن کر متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج چاند سے ملایا جا رہا تھا۔ قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں ''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ''، فراعنۂ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہانِ ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہلِ ایران انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

---

(۱) اس نکتہ کی تشریح میں جو تقریر میں اجمالاً آیا تھا، مقرر کی تصنیف ''ارکانِ اربعہ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصوّر کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین مادہ ہے، ان دونوں کے اتّصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے، اور شہنشاہ (ختا اول) اس جوڑے کا پلونٹھا بیٹا ہے، (۱) عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و برتر سمجھتا تھا، اور اسی احساس برتری میں حج کے ایسے عمومی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا تھا۔ (۲)

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا :

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآن کا دیباچہ (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا تیسرا مظہر اور نوع انسانی پر تیسرا احسانِ عظیم، احترامِ انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصوّر ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض ''مقدس'' حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے، ان کے لئے بے تکلّف انسانوں کی جانیں لی جا سکتی تھیں، اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جا سکتے تھے،

---

(۱) ملاحظہ ہو ''تاریخ چین'' از جیمس کارکرن۔

(۲) ملاحظہ ہو، کتب حدیث و سیرت۔ (۳) حجرات : ۱۳

آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابلِ احترام، لائقِ محبت اور مستحقِ حفاظت وجود ہے، آپؐ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالقِ کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے :

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً. (۱)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات اور اس بزمِ عالم کا صدر نشین ہے :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً ○ (۲)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔ "**الخلق عيال الله فأحبُّ الخلق إلى الله من أحسن إلىٰ عياله.**" (۳)

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب و اختصاص کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے، جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا، "اے فرزندِ آدم! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا، پروردگار! میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں؟ تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا: کیا تجھے معلوم نہیں ہوا، میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا، تو اس کی عیادت کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا، تو تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ پھر ارشاد ہوگا: اے فرزند آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے

---

(۱) بقرہ : ۲۹ (۲) اسراء : ۷۰
(۳) مشکوٰۃ بروایت بیہقی

مجھے کھانا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں؟ تو تو رب العالمین ہے؟ ارشاد ہوگا: کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا۔ کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا؟ اے فرزند آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے؟ ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا؟ (۱)"

ایک سراپا توحید مذہب میں، کیا انسانیت کی بلندی، اور انسان کی رفعت و محبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف و اعلان پایا جا سکتا ہے؟ اور کیا دنیا کے کسی مذہب و فلسفہ میں انسان کو یہ مقام دیا گیا ہے؟ آپؐ نے خدا کی رحمت و شفقت کے لئے انسانوں پر رحم و شفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا:

الراحمون يرحمهم الرحمٰن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء. (۲)

رحم کرنے والوں پر رحمٰن کی رحمت ہوتی ہے، اگر تم اہلِ زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے، وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدتِ انسانی کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بلیغ نہیں کی گئی تھی، اس وقت انسان کا کیا حال رہا ہوگا؟ ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی، بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے، سکندر اُٹھا اور جیسے کوئی کبڈّی کھیلتا ہے، ہندوستان تک چلا آیا اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے۔ سیزر اُٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں بھی دو دو

---

(۱) صحیح مسلم۔

(۲) ابوداؤد، حالی نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر — خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں، جنہوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ صرف قومی تکبّر، سیاسی اَنانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا، اقبال نے سچ کہا۔

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثتِ محمدیؐ کے وقت نوع انسانی کے اکثر افراد پر فطرتِ انسانی سے بدگمانی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی، اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیا کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یوروپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا، ہندوستان کے قدیم مذاہب نے تناسخ ''آواگون'' کے فلسفہ کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ واختیار کو مطلق دخل نہیں ہے، اور جس کی رو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے، اور عیسائیت نے انسان کے پیدائشی گنہ گار ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیح کے کفّارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے متمدّن دنیا کے لاکھوں، کروڑوں افراد کو جو ان مذاہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے پوری طاقت وصفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ تختی کے مانند ہے، جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جاسکتی ہے، انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے اور اپنے اچھے یا بُرے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذِمّہ دار یا جواب دہ نہیں ہے، قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا، اور یہ کہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا اور اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۝ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝[1]

---

(۱) نجم : ۳۸/۴۱

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰیO ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰیO (۱)

یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو بالکل متزلزل ہو گیا تھا، وہ نئے عزم و یقین اور نئے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہو گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کو ایک عارضی حالت قرار دیا، جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے مبتلا ہو جاتا ہے، صلاحیت، خیر پسندی اور اعترافِ قصور و ندامت، اس کی فطرت کا اصل تقاضہ اور انسانیت کا جوہر ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا، خدا کے سامنے رُو دُھو کر اپنے اس قصور کو معاف کرا لینا اور آئندہ ایسی غلطی کے نہ کرنے کا عزم کرنا، انسان کی شرافت اور آدم کی میراث ہے۔ آپؐ نے دنیا کے مایوس و دل شکستہ اور گناہوں کے دلدل میں گلے گلے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دروازہ کھولا اور اس کی اس زور و شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپؐ کو اس شعبہ کا دوبارہ زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا، اسی بنا پر آپؐ کے ناموں میں ایک نام "نبیُّ التــوبة" (توبہ کا پیغمبر اور پیغامبر) بھی ہے، آپؐ نے توبہ کو ایک مجبوری کی بات اور تلافی مافات کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے اس کے ایسے فضائل بیان کئے اور اس کا مرتبہ اتنا بلند کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قُرب اور اس کی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور ناکردہ گناہ عابدوں اور زاہدوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وُسعت پر گنہگار کے توبہ کر سکنے اور بڑے سے بڑے گناہ سے پاک و صاف ہو جانے کے امکان کو اس دلکش اور دلنواز انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس و شیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے کی مُنادی کی، اور اس کے دریائے رحمت کے جوش و تلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ

یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ مطلوب سے زیادہ طالب اور ان گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم و رحیم اور فیّاض و کریم ہے، بلکہ (اگر یہ کہنا صحیح ہو) ان کا منتظر و مشتاق اور ان کا سچا قدرداں ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے اور اس لطف و شفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے :

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً. اِنَّهٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (۱)

کہہ دیجئے! اے میرے وہ بندو؛ جنہوں نے اپنے حق میں زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطا کار انسانوں کے تذکرے اور سیاق و سباق میں نہیں، بلکہ بلند ہمت، نیکو سیرت اور جنّتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق و سباق میں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :

وَسَارِعُوْٓا إِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ، ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ، وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ، وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا، وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (۲)

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے، اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور

(۱) زمر : ۵۳ (۲) آل عمران : ۱۳۶/۱۳۳

غصّے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ جب کوئی کھُلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔ اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اس نورانی فہرست کا افتتاح عابدوں، زاہدوں کے بجائے ''تائبوں'' سے فرمایا گیا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ ''توبہ'' ہے، آیت ہے :

اَلتَّـآئِبُوْنَ الْـعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِـرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ والنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱)

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے، خدا کے حدود کی حفاظت کرنے والے، (یہی مومن لوگ ہیں) اور (اے پیغمبرؐ) مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری سنادو۔

اس اعزاز اور اظہارِ اعتماد کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان سے ان تین صحابیوں (۲) کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا گیا جو غزوۂ تبوک کے نازک اور اہم موقع پر (جس میں شرکت نہایت ضروری تھی) بغیر کسی معقول عذر کے مدینہ میں رہ کر سخت کوتاہی کے مرتکب ہوئے تھے، تو ان کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبرؐ اور ان مہاجرین وانصار کا

---

(۱) توبہ : ۱۱۲
(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتب سیرت، اور کتب تفسیر وحدیث، واقعہ غزوۂ تبوک۔

ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدور نہیں ہوا تھا، تا کہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی تنہائی اور پسماندگی کا احساس نہ ہو، اور وہ احساسِ کہتری، اور انگشت نمائی کے ہر داغ سے بری ہو جائیں، اور ان پر اور قیامت تک قرآن مجید کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل گروہ یہی صادقین اولین اور مہاجرین و انصار کے صفِ اوّل کے لوگ ہیں۔ توبہ کی قبولیت، تائب کی مقبولیت، اور نفسیاتی طور پر دلنوازی اور چارہ سازی کی اس سے زیادہ لطیف اور دقیق مثال ادیان و مذاہب اور علم الاخلاق اور علم النفس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے :

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ، ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ، اِنَّهٗ بِهِمْ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا، حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْآ اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۱)

بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین و انصار پر، جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے اور تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تا کہ توبہ کریں، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا اعلان کیا کہ رحمت الٰہی ہر چیز پر حاوی اور غضب و جلال پر غالب ہے، قرآن مجید میں ہے :

---

(۱) توبہ : ۱۱۷/۱۱۸ (۲) اعراف : ۱۵۶

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شيءٍ (۲) میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔

اور حدیث قدسی میں ہے :

"إنّ رحمتي سبقت غضبي" میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

پھر اس نے مایوسی کو بھی کفر کا اور جہالت و گمراہی کا مرادف قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ایک پیغمبر برحق (حضرت یعقوبؑ) کی زبان سے کہلوایا گیا ہے :

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۱)

اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہو سکتے ہیں، جو خدا کے منکر اور اس کی ذات وصفات سے نا آشنا ہیں۔

دوسری جگہ ایک دوسرے جلیل القدر پیغمبر (حضرت ابراہیمؑ) کا قول نقل کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○ (۲)

اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہوسکتا ہے!

اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے توبہ کی فضیلت و ترغیب اور خدا کی رحمت کی وسعت وشمولیت کا اعلان و تبلیغ کر کے یاس وقنوط کی ماری ہوئی اور غضب و جلال کے اعلانات وتفصیلات سے (جن میں یہودی علماء اور شارحین کتبِ مقدسہ اور قرونِ وسطیٰ کے غالی اور فطرت دشمن عیسائی زاہدوں، اور پادریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا) ڈری اور سہمی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی کا پیغام دیا، اس کے تنِ مُردہ اور دلِ افسردہ میں نئی روح پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اور اس کو خاک مذلّت سے اٹھا کر عزّت وشرف، خود اعتمادی، اور خدا اعتمادی کے بامِ عروج پر پہونچا دیا۔

نبوت محمدیؐ کا پانچواں عظیم اور نا قابلِ فراموش احسان، اور ایک گراں قدر تحفہ، دین ودنیا کی وحدت کا تصوّر اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں "نزاعِ لفظی" ہے، انسان کے اعمال واخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنی کیفیت، عمل کے محرّکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین وشریعت کی زبان میں "نیت" کے ایک مفرد و

---

(۱) یوسف : ۸۷ (۲) حجر : ۵۶

سادہ، لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ''دنیا'' ہے، اور نہ کوئی چیز ''دین''، اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب، اخلاص، اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتُّع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدو جہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرّب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ، اور خالص دین بن جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضائے الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو، (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں (دین و دنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں، اہلِ دین اور اہلِ دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے، ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرنی ہو، اس کو دوسرے سے قطعِ تعلق اور اعلانِ جنگ کرنا ضروری تھا، کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا، معاشی جِدّ و جہد، غفلت و خدا فراموشی کے بغیر، حکومت و سلطنت، دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوفِ خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا تارک الدنیا ہوئے بغیر، متصوّر ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذّت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصوّر جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت و حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے متمدن، ذہین، صاحبِ صلاحیت، اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے ''دین'' کے بجائے ''دنیا'' کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن و راضی کرلیا، وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہوکر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں

مشغول ہوگئی، دین ودنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلّم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیر باد کہا، سیاست وریاست نے مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کرلیا، انسان ''پیل بے زنجیر'' اور معاشرہ ''شترِ بے مہار'' ہو کر رہ گیا۔ دین ودنیا کی اس دوئی اور اہلِ دین اور اہلِ دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب واخلاق کے اثر کو محدود وکمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت ورحمت سے محروم کر دیا، بلکہ اس الحاد ولادینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا، پھر دنیا کی دوسری قومیں، جو یورپ کے فکری، عملی، یا سیاسی اقتدار کے زیرِ اثر آئیں اس سے کم وبیش متاثر ہوئیں۔ موجودہ دنیا کی صورتِ حال جس میں مذہب واخلاق کا زوال اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی ہے، اسی دین ودنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا مظہر ہے کہ آپؐ کامل طور پر رسولِ وحدت ہیں، اور بہ یک وقت ''بشیر'' و ''نذیر'' ہیں، آپؐ نے دین ودنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسنِ عمل، خدمتِ خلق اور حصولِ رضاءِ الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں لباسِ دنیا میں درویش، قباءِ شاہی میں فقیر وزاہد، سیف وتسبیح کے جامع، رات کے عبادت گذار اور دن کے شہ سوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثتِ محمدی سے پہلے انسان اپنی منزلِ مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لئے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوّتِ عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبۂ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور

فرماں روائی قائم ہو جائے۔ لاکھوں آدمی ایسے تھے، جن کا پروازِ تخیّل، نقش و نگار، رنگ و آہنگ، لذت و ذائقہ اور بلبل و طاؤس، یا چوپایہ و حیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے، جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے دولت مندوں اور طاقتوروں اور سرکار و دربار کی خدمت و خوشامد یا بے مقصد ادب و شاعری سے دل خوش کرنے میں صَرف ہو رہی تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کردی، آپؐ نے یہ بات دل پر نقش کردی کہ خالقِ کائنات کی صحیح معرفت، اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی دریافت ایمان و یقین کا حصول، خدا کی محبت و محبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمالِ آدمیت ہے۔ اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان و یقین کی دولت سے مالامال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال و ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپؐ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دُھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، اور در و دیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثتِ محمدیؐ کے بعد قلوب میں نئی حرارت دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزلِ مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب و عجم، مصر و شام، ترکستان اور ایران، عراق و خراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند، سب اسی صہبائے محبت کے متوالے اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپؐ تاریخ وتذکرے کی کتابیں پڑھیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدا مست، عالی ہمّت، عارف کامل، داعی حق، اور خادم خلق، انسان دوست، ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انہوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیں، عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم وفنون کے دریا بہادیئے، معرفت ومحبت کی جوت جگادی اور جہالت ووحشت، ظلم وعداوت سے نفرت پیدا کردی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے انسانوں کو گلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپۂ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

نبوت کا اصل کارنامہ

ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت، معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بری طرح ناکام رہی ہے۔ وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرسکتی ہے، وہ خلاء میں سفر کرنے کے لئے محفوظ وسریع السیر آلات مہیا کرسکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور سیاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غریبی دور کرسکتی ہے، وہ علم وہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ وتعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے، اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے، اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع وبرباد ہورہی ہیں۔ ساری انسانی دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہے، اور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید رد عمل کی تحریک اور علم وتمدن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز نہ ہوجائے، فاسد افراد نے معصوم اور صالح وسائل وذرائع کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد وتخریب بنا دیا ہے، جدید تمدن کا سفینہ موجوں کی تاب نہیں رکھتا، اس کا ہر تختہ گھن کھایا ہوا اور دیمک کا چاٹا ہوا ہے، فاسد وکمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہوسکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی

ہے کہ فاسد تختے علیٰحدہ علیٰحدہ فاسد، کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے اور وہ صالح بن جاتے ہیں۔ رہزن اور چور علیٰحدہ علیٰحدہ تو رہزن اور چور ہیں لیکن جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو وہ پاسبانوں اور ذمہ دار انسانوں کی ایک مقدس جماعت ہے۔

نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، حاسۂ اخلاقی سے محروم، محبت اور خلوص کے مفہوم سے نا آشنا، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں، وہ یا تو لذت و عزت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار، کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خداترس و پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے اور ان پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے اور اسی کے پاس قلب کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی و پاکبازی کی محبت، اور گناہ اور بدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک وسلطنت عزت و وجاہت اور ریاست وتفوق کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور وہی افراد جو ان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب جدید کو تباہی سے بچا سکتے ہیں، نبوت نے دنیا کو سائنس کا علم نہیں دیا، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے، نہ ایسا کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو وہ افراد عطا کئے جو خود صحیح راستے پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں، اور ہر اچھی چیز ہے خود نفع اٹھا سکتے ہیں دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں، اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں، اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انہیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔

عقیدہ ختم نبوت ایک انسانی ضرورت

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم

النبیین ہیں، اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعامِ خداوندی اور موہبتِ الٰہی تھا جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا، اسی لئے ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس پر بڑے رشک اور حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کو آپ لوگ پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوتی اور ہم سے متعلق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اپنا قومی تہوار اور یوم جشن بنا لیتے، اس کی مراد سورۂ مائدہ کی اسی آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً." سے تھی، جس میں ختم نبوت اور تکمیل نعمت کا اعلان کیا گیا ہے، حضرت عمرؓ نے اس نعمت کی جلالت وعظمت سے، اس اعلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا، صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نئے یوم مسرت اور تہوار کی ضرورت نہیں، یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے، جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے، اس موقع پر دو دو عیدیں جمع تھیں، یوم عرفہ (۹/ذی الحجہ) اور روز جمعہ۔

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہیں، اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدعیانِ نبوت اور محرفین اسلام کا بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے۔ "ختم نبوت" کے اسی حصار کے اندر یہ ملت ان مدعیوں کے دستبرد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس کے ڈھانچے کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے، اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی اور اتنے طویل عرصہ تک اس کی دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی، اگر یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امتِ واحدہ ایسی مختلف اور متعدد امتوں میں تقسیم ہو جاتی، جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی وتہذیبی سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی، ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

عقیدۂ ختم نبوت درحقیقت نوعِ انسانی کے لئے ایک شرف و امتیاز ہے، وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سنِّ بلوغ کو پہنچ گئی ہے، اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے، اب انسانی معاشرے کو کسی نئی وحی، کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں، اس عقیدے سے انسان کے اندر خوداعتمادی کی روح پیدا ہوتی ہے، اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے، اور اب دنیا کو اس سے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، اب دنیا کو نئی وحی کے لئے آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا کے نازل کئے ہوئے دین و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لئے زمین کی طرف اور اپنی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے، عقیدۂ ختم نبوت، انسان کو پیچھے کی طرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جدوجہد کا حقیقی میدان اور رُخ بتلاتا ہے، اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بےاعتمادی کے عالم میں رہے گا، وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا، وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا، اس کو ہر مرتبہ ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشنِ انسانیت اور روضۂ آدم ابھی تک نامکمل تھا، اب وہ برگ و بار سے مکمل ہوا ہے، اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک یہ نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے، اس طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا جو اس کو برگ و بار سے مکمل کرے۔

امت مسلمہ کی سب سے بڑی خصوصیت

میں تاریخ کے ایک طالب علم بلکہ ایک مصنف اور تاریخ عالم کے ایک واقف کار کی حیثیت سے اور پھر اس کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کی سیر و سیاحت کرنے والے ایک داعی کی حیثیت سے بھی آپ کے سامنے کچھ خصوصی باتیں رکھنا چاہتا ہوں، ایسی باتیں جو اس موضوع پر فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

---

(۱) سورۂ مائدہ : ۳

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تمہارے لیے پورا کر دیا، اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر چکا۔

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.

محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں۔

ان آیات سے اس اُمت کو نہیں بلکہ عالم کو جو دولت ملی ہے، اور جو نعمت ملی ہے، جو خصوصیت عطا ہوئی ہے، اس پر بھی بہت کم لوگوں نے غور کیا، ایک بات تو یہ ہے کہ ان آیتوں سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اختتام کا اعلان کیا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں، نبوت کا سلسلہ آپؐ کی ذات پر ختم ہوتا ہے، اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اب کوئی درجہ مزید تعلیم و اصلاح کا باقی ہی نہیں رہا کہ کسی نئے نبی کی ضرورت باقی رہتی، دعویٰ نبوت کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین (یعنی اسلام) کو مکمل فرما دیا، اور اپنی نعمت پوری کر دی، اس اکمال دین و اتمام نعمت کے بعد یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش باقی نہیں رہی، اور نہ ہی کسی نبی کی بعثت کی حاجت وضرورت۔

یہ اس امت پر اللہ کا ایک عظیم احسان و انعام ہے اور اس کی خصوصیت کہ رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی، یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا، کہ نبوت کا

---

(۱) یہ وہ نعمت تھی کہ جس پر یہود کے علماء و عقلاء کو رشک آیا، اور مسلمانوں کو انہوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا، وہ یہ جانتے تھے کہ ادیان سابقہ اپنی اصل صورت کھو بیٹھے تھے، اور تحریف کا شکار ہو گئے تھے کہ وہ اس اعلان و ضمانت سے خالی تھے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ :

''ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو ایک مستقل تہوار اور جشن کا دن بنا لیتے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ'' اس پر حضرت عمرؓ نے کہا، مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے، اور وہ گھڑی بھی اچھی طرح یاد ہے، جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی، وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی۔'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین)

محمد ﷺ پر اختتام ہوگیا، اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا گیا، اب نہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہوگی۔(۱)

اس اعلان ربانی سے جو پوری صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں فرما دیا گیا ہمیں بڑا سبق اور پیغام ملتا ہے، اس اعلان سے ہمیں وحدت عقائدی اور وحدت ارکانی کی دعوت ملی، وحدت زمانی اور وحدت مکانی کی دعوت ملی، پہلی بات تو یہ صاف طور پر اس سے عیاں ہوتی ہے کہ قیامت تک کے لئے اب اس امت اسلامیہ، امت محمدیہ، کے عقائد بھی ایک ہوں گے، ارکان بھی ایک ہوں گے، دوسری بات یہ کہ ہر زمان و مکان میں، ہر عہد اور ہر دور میں اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پر ایک وحدت پائی جائے گی، دینی وحدت،

وحدت عقائد

''وحدت عقائدی'' یہ ہے کہ اس ''امت'' کے (جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے، قرآن کا کلمہ پڑھتی ہے، اسلام کا دعویٰ کرتی ہے) عقائد، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ایک رہیں گے، توحید کامل رہے گی، پیغمبروں کی رسالت اور انبیاء کی نبوت پر ایمان جنہیں اللہ نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ اس نازک اور عظیم کام کے لئے انتخاب کیا، اور پھر آخری پیغمبر اور آخری نبی ﷺ کہ جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، پچھلے پیغمبروں کی رسالت پر بھی ایمان اور آپ ﷺ کی رسالت و نبوت اور اس کی خاتمیت پر بھی ایمان، اور اس طرح ایمان کہ نبوت و رسالت آپؐ پر ختم ہے، نبوت کے ساتھ نبوت کی خاتمیت پر بھی ایمان کہ اب کسی کو بھی تا قیامت نبوت نہیں ملنی ہے، یہ کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے، دنیا میں کسی بھی امت کو یہ فضیلت نہیں ملی۔

اسی طرح ہم نبی اور رسول کی رسالت و نبوت کے اقرار اور ان کے شرف و مرتبہ کے اعتراف کے ساتھ یہ کہتے ہیں، کہ کسی بھی نبی و رسول کی امت کو یہ خصوصیت نہیں حاصل ہوئی کہ یہ وحدتیں (وحدت عقائد بھی ہو اور وحدت ارکان بھی ہو) ملی ہوں جو اس امت کو ملیں، یہ امتیاز اللہ رب العالمین نے صرف امت محمدی کو ہی عطا کیا۔

وحدت ارکان

''ارکانی وحدت'' یہ ہے کہ دین کے ارکان میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا جائے گا، نہ کسی زمانہ میں نہ ہی کسی علاقہ میں، کہ حالات کو دیکھ کر کے نماز تین وقت کی کر دی جائے، یا کوئی اور تبدیلی لائی جائے، یا یہ کہ روزے کے ایام بدل دیئے جائیں، ایک لطیفہ یاد آیا، بڑے منصب پر فائز ایک محترم شخصیت نے (میں نام نہیں لوں گا) ہم سے کہا کہ مولانا صاحب! آپ لوگ اتنے سخت موسم میں روزے رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں کیوں نہیں کر لیتے، تو یاد رکھئے!! ارکان جیسے تھے ویسے ہی رہیں گے، اور اسی طرح ادا کیئے جائیں، نماز وہی پانچ وقتوں کی روزے وہی رمضان کے مبارک مہینے کے، نہ جاڑے سے اس میں فرق آئے گا نہ گرمی سے، زکوٰۃ اسی طرح اپنے نظام اور نصاب کے مطابق جو بنایا گیا ہے، اور جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے، ''حج'' ٹھیک اسی طرح ''بیت اللہ شریف'' کا اپنے تمام مناسک کے ساتھ بغیر کسی فرق اور تبدیلی کے اور اس کے تمام مناسک ہمیشہ ایک ہی رہیں گے، قیامت تک اس میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور نہ ہونے دیا جائے گا، یہ جو وحدت ہے اسے وحدت ارکانی کہتے ہیں۔

ختم نبوت کا اعلان اس امت کی حفاظت و بقا کا ضامن ہے

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں۔، ہم نے تاریخ کا الحمدللہ خوب مطالعہ کیا ہے، اور ہمیں اس کی اپنے علمی کاموں اور تصنیفی کاموں میں برابر ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے، ہم نے یہودیت و عیسائیت کی مستند کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان کی پوری تاریخ مد و جزر کی تاریخ ہے، نشیب و فراز کی تاریخ ہے، مشرق و مغرب کی تاریخ ہے، محبت و اختلاف کی تاریخ ہے، عقائد میں اختلاف، ارکان کے ادا کرنے میں اختلاف، یہ جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں محض امت کے ایک فرد ہونے کے ناطے نہیں، تاریخ و مذاہب کا مطالعہ رکھنے والی کی حیثیت سے بھی، ذرا آپ بھی مطالعہ کیجئے، فرنچ کی کتابیں پڑھئے، جرمن کتابیں پڑھئے، انگلش کتابیں پڑھئے، مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، مذاہب کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، آپ ان مؤرخوں کو اس کا اقرار کرتے نہیں بلکہ شرم سے گویا منھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلکہ ایسے احساس کمتری کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے دیکھیں گے، اور

آپ دیکھیں گے کہ اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سے کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کے پیغمبر نے جس طرح اعلان کیا اور جو باتیں بتائیں وہ مذہب ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق صدیوں چلتا رہا ہو، صدیوں کیا بلکہ بعض مرتبہ تو نصف صدی اور دہائیوں تک بھی چلنا مشکل ہو گیا۔

ان مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں اتمام نبوت کا اور ختم نبوت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا یہ کہیں نہیں ملتا کہ ان مذاہب کو جو لوگ برحق مانتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں وہ بھی جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی و رسولؑ نے اپنی خاتمیت خاتم الرسل و خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہو، کسی نے بھی ایسا نہیں کیا، نہ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہوا۔

آپ ان تمام مذاہب کی تاریخ میں پڑھیں گے، ذرا کشادہ نظری کے ساتھ اور کشادہ ذہنی کے ساتھ آپ دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان میں صرف اختلاف ہی نہیں بلکہ تضاد پایا جاتا ہے، یہ مذہب شروع میں یہ کہتا تھا اور اب یہ کہتا ہے، اس مذہب کے پیشوا اگر یہ نہ کہیں تو کم از کم احتیاط کے لئے یہ کہتے ہیں، اس مذہب کے پیشوا اور ترجمان اور اس کے مستند عالم پہلے یہ کہتے تھے، اب ان کی رائے وہ نہیں یہ ہے، عبادت یہ ہے، نہیں یہ عبادت نہیں تھی بدعت ہے، یہ ثابت ہے، نہیں یہ ثابت نہیں مفروضہ ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان مذاہب میں عقائد کا اختلاف ملے گا، ارکان کا اختلاف ملے گا، زمانہ کے ساتھ وہ بدلتے رہیں گے، اختلاف زمانی بھی ہے اور اختلاف مکانی بھی، اس لئے آپ کو صاف صاف نمونے ملیں گے، ایسے نمونے کہ اس مذہب کی اشاعت کا جو دائرہ ہے اور علاقہ ہے، جو اس کی دنیا ہے، مذہبی دنیا اس کے کسی حصے میں کچھ ہو رہا ہے، کسی حصہ میں کچھ، یہ سب اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ختم نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا ان لوگوں کے لیے اس کا موقع تھا، اور گنجائش تھی، جائز و ناجائز کی امکانی گنجائش تھی کہ وہ جو چاہیں دعویٰ کریں، آج یہ بات کیوں ہے کہ ساری دنیا کے انقلابوں کے باوجود، سیاسی انقلاب بھی، اجتماعی انقلابات بھی اور اخلاقی انقلابات بھی، یہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے نہیں پیش آئے، یہ تاریخی شہادت ہے، اس کا کوئی انکار نہیں

کرسکتا، علمی انقلابات کے ساتھ، علمی ترقیات کے ساتھ، علمی تحقیقات کے ساتھ اور نئے نئے اکتشافات کے ساتھ اور نئے نئے فوائد حاصل ہونے کی امید کے ساتھ جو اس میں تغیر و تبدل کرنے سے اور نیا دین اور نیا عقیدہ پیش کرنے سے ہو سکتے ہیں، یہ جو بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے اس کے پہلے کبھی نہیں ہوا، میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔

لیکن اس کے باوجود یہ دین اب تک ایک چلا آرہا ہے، انبیاء اور رسول جو گزر گئے ہیں ان پر ایمان باقی ہے، ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی برتری اور قدرت کاملہ کہ "اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا أَرَادَ شَیْئاً اَنْ یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن" اور اس کی ذات کی وحدت کہ پورے عالم کو چلانے والا وہی ہے، جو اس کائنات کہ یہ کائنات اس کے قبضہ اور دست قدرت میں ہے، "اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا أَرَادَ شَیْئاً اَنْ یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن" ان سب کے باوجود یہی ایک چیز ہے جو ابھی تک بنیادی اور اساسی عقائد پر، میں ان چیزوں کو نہیں کہتا جو کسی نے جیسے کہ ابھی آپ نے نظم سنی اپنے کسی دنیاوی مفاد کے خاطر یا کسی رشوت کے نتیجے میں یا کسی مفاد کے سلسلے میں عزت و جاہ کے سلسلہ میں پیدا کر دیا، دین میں وہ چیز بالکل نہیں چلنے پائی، آج تک دین بالکل صاف اور منقّٰی مجلّٰی موجود ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اگر نیت خراب نہیں ہے، اور خدا کا اگر خوف کسی بھی درجہ میں باقی ہے، تو وہ بدعت و سنت کو سمجھتا ہے کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے، بدعت کو کوئی بھی سنت ثابت نہیں کر سکتا، معصیت کو کوئی بھی طاعت ثابت نہیں کر سکتا، شرک کو کوئی توحید ثابت نہیں کر سکتا، کوئی اللہ کی رضا کا ایسا طریقہ جس میں رسم و رواج کی بو آتی ہو، دنیاوی مفاد ہو، نہیں جانا جا سکتا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے اتمام نبوت اور ختم نبوت کے اعلان کا۔

آج آپ یورپ و امریکا کے آخری سرے تک چلے جائیے معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ کم لوگوں کو اتنی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا ہمیں ہوا، اس میں ہماری قابلیت اور لیاقت کو دخل نہیں یہ محض اللہ کا فضل و انعام ہے، کہ کم سے کم عالم اسلام کو لے لیجئے عالم غیر اسلامی کی بھی ہم نے خوب سیر کی ہے، یورپ و امریکا و افریقہ سب ہم نے دیکھے ہیں، عالم

اسلام کا تو شاید ہی کوئی کونہ ہم سے بچا ہو، مراکش جس کو عربی میں مغرب اقصیٰ کہتے ہیں (انتہائی مغربی کونہ) اور صرف مغرب اقصیٰ مراکش تک ہی نہیں وہاں کے آخری حصہ اور آخری سرے تک یعنی وجدہ تک میں گیا ہوں، اور پھر اس کے بعد ادھر تاشقند، بخاریٰ اور سمرقند بھی جانا ہوا ہے، وہاں نمازیں بھی پڑھی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کی ہے، وہاں خطابات بھی ہوئے ہیں، وہاں کے ارباب حل وعقد سے ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ عالم عربی کا کوئی ملک نہیں جہاں میں نہیں گیا، عراق، شام، مصر، لیبیا، شرق اردن، ترکی، خلیج کا علاقہ اور صرف یہ ملک ہی نہیں شہر شہر گیا ہوں لیکن کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں دین کی بنیادی باتوں میں فرق پاتا، یہاں دین کے ارکان کچھ ہوں وہاں کچھ ہوں، نماز پڑھیں بھی اور اللہ کے فضل سے پڑھائیں بھی لیکن اس کے لیے ہمیں کوئی گائڈ بک تک نہیں دی گئی کہ آپ نمازیں پڑھانے جارہے ہیں یہاں آپ کے ملک کی طرح نماز نہیں ہوتی، یہاں وضو کے بعد یہ کرنا اور پڑھنا ہوتا ہے، یہاں کھڑے ہو کر ایک خاص دعا پڑھنی ہوتی ہے، یہاں دیوار پر یوں ہاتھ لگانا ہوتا ہے، یہاں نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہنے پڑھتے ہیں، یہ عبارت سنانی پڑتی ہے، کچھ کہنا پڑتا ہے، خاص قسم کی تعلیم دینی پڑتی ہے، اگر قبر ہے تو اس کے آگے جھکنا پڑتا ہے، بے جان سے حاجت براری کرنی پڑتی ہے، یہ کتنی وسیع دنیا ہے، چپہ چپہ میں مسلمان آباد ہیں لیکن ایک طرح کی نماز ہر طرف ہو رہی ہے، جا کر آپ کہیں دیکھ لیجئے، افغانستان، ترکستان، انگلستان، مراکش، مصر، اندلس، (اسپین) روس، چین، جاپان کہیں چلے جایئے ادھر لیبیا، سوڈان، الجزائر جا کر دیکھ لیجئے، آپ اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور پڑھا بھی سکتے ہیں، خدا کے فضل سے یہ شرف و عزت بھی ہمیں حاصل ہوئی مگر کسی نے کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ ہم نے کچھ پوچھنے کی، وقت ہوا تو کہا گیا آگے بڑھئے آگے بڑھ گیا، بعد میں بھی کسی کو کوئی اشکال واعتراض نہیں ہوا، اور نہ کوئی کمی لگی۔

سب فیض ہے ختم نبوت کا!

آخر یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے ختم نبوت کا، اتمام نبوت کا، اکمالِ شریعت کا، اگر یہ ختم نبوت کی دولت نہ ہوتی تو اس امت کو یہ اعزاز اور یہ امتیاز نہ ملتا، میں آپ سے

صاف کہتا ہوں کہ یہ جو آپ یہاں بیٹھے اتنے وسیع میدان میں کثیر تعداد میں اکٹھا ہوئے دین کی باتیں سن رہے ہیں۔ یہی نماز، یہی روزہ، یہی زکوۃ، یہی حج، سارے ارکان اسی طرح باقی ہیں، کتنے سیاسی انقلابات آئے اور کتنے موانع پیدا ہوئے، سمندر کا سفر کتنا خطرناک بن گیا لیکن حج کا سفر اسی طرح چلا آرہا ہے، کوئی بھی اس کو روک نہ سکا، بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے، ہنگامے برپا ہوئے، کچھ فرق نہ پڑا، کیسے کیسے انقلابات آئے، حکومتیں ہٹ گئیں، ماحول بدل گیا لیکن حج جیسا کل فرض تھا آج بھی فرض ہے، آج ویسے ہی لوگ بیت اللہ شریف جارہے ہیں جیسے پہلے جاتے تھے بلکہ اب تو بہت بڑی تعداد میں جارہے ہیں کوئی اس کو روک نہ سکا، سیاسی انقلابات آئے، حجاز مقدس میں تو سیاسی نظام میں ٹھہراؤ رہا ہی نہیں، پہلے ترکوں کی حکومت تھی ان سے پہلے کسی اور کا اقتدار پھر شریف مکہ آئے وہ گئے تو اب آل سعود حکمراں ہیں۔

انتظامی وسیاسی تغیرات جو ہوں لیکن ارکان دین میں کوئی تغیر وانقلاب نہیں، حج کی ادائیگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی، اللہ کے فضل سے حرمین شریفین سے عمرہ کر کے ابھی چند روز ہوئے آرہا ہوں، وہی بیت اللہ شریف، وہی مطاف، وہی حرم شریف، وہی طواف، وہی اشواط، اشواط تک میں اضافہ نہیں، یا زمانہ کے ساتھ طواف میں کمی یا زیادتی کی جاتی یا اس کا مشورہ دیا جاتا یا ترتیب میں فرق لایا جاتا ایسا کچھ نہیں ہوا، جیسا آنحضورﷺ کر گئے اور بتا گئے ویسا ہی آج جاری ہے، خدا معاف کرے کہ جرأت کی بات ہے آج اگر دنیا میں صحابی بھی اٹھ کر آئیں خدا کو یہ منظور ہو اور ایسا پیش بھی آجائے، صحابی اگر نہیں تو کوئی بڑے سے بڑا تابعی اور بڑے سے بڑا ولی اللہ بزرگ آجائے، تابعین میں حضرت حسن بصریؒ یا امام علی زین العابدینؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت اویس قرنی تک آجائیں، ولیوں اور بزرگوں میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ تک آجائیں، امام غزالیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی آجائیں یا پھر ہندوستان کے بزرگوں اور اقطاب میں خواجہ معین الدین چشتیؒ قبر سے اٹھ کر آجائیں، بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور کوئی بھی بڑے سے بڑا بزرگ اور امام آجائے دین کو بدلا ہوا

نہیں دیکھیں گے، دین کو ویسا ہی پائیں گے جیسا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، اگر بعض چیزوں کو بدلا ہوا دیکھیں گے بھی اور نئی چیزیں پائیں گے تو یہ نتیجہ ہے جہالت کا، غفلت کا، نفس پرستی کا، خواہش پرستی کا، دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا کہ یہی صحیح ہے، قرآن میں نہ کوئی تحریف کر سکتا ہے نہ یہ سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ. (۱)

(اس) نصیحت نامہ (یعنی قرآن) کو ہم نے، ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

شریعت میں اضافہ کرنے والا گستاخ ہے

ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے فخر کرنا چاہئے اور امت اسلامیہ کو اس پر فخر کا پورا کا پورا حق ہے کہ اس کا دین مکمل ہو چکا ہے، پوری شریعت اب ہمارے سامنے ہے، اب اس شریعت میں کوئی اضافہ نہیں ہونا ہے، اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ گستاخ رسول ﷺ ہے، ہم کسی بھی یورپین انگریز اور کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ کسی گوشہ یا چپہ میں چلے جائیے یہی شریعت ملے گی جو یہاں ہے، یہی احکام ملیں گے جو یہاں ہیں، یہی ارکان ملیں گے جو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں، نماز کے جو اوقات یہاں ہیں وہی دوسری جگہ، وہی لندن میں، وہی نیویارک میں، وہی ماسکو میں، وہی پیرس میں، کہیں کیسے بھی حالات ہوں، موسمی حالات ہوں، سیاسی حالات ہوں، خطرات ہوں، سفر کرنا ہو، گرم علاقے ہوں یا ٹھنڈے علاقے ہوں اس میں کوئی تغیر نہیں، چھوٹے یا بڑے دن کی وجہ سے نماز پانچ وقت سے گھٹا کر تین وقت یا پانچ وقت سے بڑھا کر سات وقت کی نہ کر دی جائے یا مغرب کی عصر کے وقت یا عصر کی ظہر کے وقت کر دی جائے یہ سب کچھ بھی نہیں، نہ کہیں ایسا ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے، یاد رکھئے یہ اس کا فیض ہے اور عطیہ ہے ختم نبوت کے اعلان کا۔

---

(۱) سورۃ الحجر : ۹

آخرت

معاد کے متعلق قرآن مجید کا بیان اور اس کے دلائل

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کے بعد دوسرا بڑا علم جو انبیاء دنیا کو عطا کرتے ہیں اور جو ان کے بغیر کسی اور ماخذ سے قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، وہ یہ علم ہے کہ انسان مر کر دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ عالم ٹوٹ پھوٹ کر دوبارہ بنے گا، اس دوسری زندگی میں انسان کو اپنی پہلی زندگی کا حساب وکتاب دینا ہوگا، اس نے دنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا۔

انسان کے پاس اس علم کے حصول کے لئے انبیاء کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، انسان کے پاس اخذ کرنے کی جو طاقتیں ہیں، ان سے نہ یہ علم ابتداءً حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جاسکتی ہے، حواس، عقل، تجربہ اور ان کے علاوہ انسان کی مخفی طاقتیں (حواس باطنی) اور اشراق وروحانیت میں سے کوئی قوت اور ماخذ ایسا نہیں ہے جس سے اس عالم کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے وجود اور اس کی تفصیلات کو ثابت کیا جاسکے اور نہ کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ اس زندگی میں عالم آخرت کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ یہ معلومات سب غیب سے تعلق رکھتی ہیں اور غیب کا ادراک انسان خود نہیں کرسکتا، اس کے علوم اور اس کی عقل اس کے حاصل کرنے میں انسان کی کوئی مدد نہیں کرسکتی، ان علوم اور عقل کے ذریعہ نہ اس کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جاسکتی ہے۔

انسان کے لئے دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں یا انبیاء پر اعتماد کر کے اور ان کے دعویٰ کی صداقت کے شواہد وقرائن کو دیکھ کر ان کے بیان کی تصدیق یا بغیر کسی علمی ثبوت اور دلیل

کے اس کا انکار۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝ (۱)

آپ کہہ دیجئے کہ جو مخلوقات بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں ان میں سے کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوا اللہ کے (اور اسی لئے) انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ بلکہ آخرت کے بارہ میں ان کی سمجھ بالکل عاجز ہوگئی ہے بلکہ وہ اس کے بارہ میں دھوکے میں ہیں بلکہ وہ اس سے بالکل اندھے ہیں۔

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس پیش آنے والی حقیقت کے شواہد (آیات) اور اس کے وجود کے امکانات اس دنیا میں اور اس زندگی میں ملتے ہیں جن سے انسان یہ قیاس کرسکتا ہے کہ یہ واقعہ ہر طرح ممکن ہے اور اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

اس کا ایک بڑا قرینہ اور اس کا ایک شاہد خود انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی ہے، اس نے عدم سے وجود تک، پھر وجود کے بعد تکمیل وجود تک، کتنے منازل طے کئے ہیں، اس نے منی سے نطفے، نطفے سے جمے ہوئے خون کی یا جونک کی شکل اختیار کی، پھر ایک مشکّل یا غیر مشکّل گوشت کا ٹکڑا بنا، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا، پھر اس کو گوشت کا جامہ پہنایا گیا، پھر وہ ایک دوسری مخلوق بن کر نمودار ہوا، پھر اس پیٹ کی اندھیری کوٹھری سے نکلنے کے بعد وہ کچھ مدت تک طفولیت کے گہوارہ میں رہا، پھر جوانی کے سرسبز میدان میں قدم رکھا، پھر یا تو اس کا دوسرا قدم موت کی چوکھٹ پر پڑا یا اس کو اتنی مہلت ملی کہ زندگی کی اس بہار کو دیکھ کر اس نے بڑھاپے کی فصل خزاں بھی دیکھی اور زندگی کا اُلٹا سفر شروع کیا، یعنی جوانی کے بعد بڑھاپے میں پھر اس پر بچپنے کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں، اس کی قوتوں نے ایک ایک کرکے جواب دیا، ذہن اور حافظہ نے ساتھ چھوڑا، وہ بچہ کی طرح بے بس، دوسروں کی دست گیری اور خبر گیری کا محتاج ہوا، اس پر خود فراموشی طاری رہنے لگی، اس کے لئے ہر جانی پہچانی چیز انجانی ہوگئی۔

---

(۱) نمل : ۶۵/۶۶

اس منزل پر سفر کا ایک حصہ ختم ہو گیا، لیکن اس کا سفر ختم نہیں ہوا، صرف سفر کی ایک درمیانی منزل پیش آئی جس کا نام موت اور عالم برزخ ہے۔

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

پس جس کو انسان کی اصل وحقیقت (مٹی اور پانی) اور پھر اس کا آغاز اور اس کی خلقت معلوم ہے، اس کے نزدیک مر کر زندہ ہونے میں کون سا عقلی اشکال ہے اور جس نے انسان میں اتنے انقلابات کا مشاہدہ کیا اس کے لئے ایک آخری انقلاب کو ممکن ماننے میں کیا دشواری ہے۔

زندگی بعد موت کا دوسرا کھلا ہوا نمونہ زمین کی دوبارہ زندگی کے مناظر ہیں جو بار بار آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، یہ زمین جس کے سینہ میں ہزاروں پیدا ہونے والے انسان اور زندہ ہونے والے حیوانات کی زندگی کی امانتیں اور خزانے ہیں، وہ خود مردہ پڑی ہوتی ہے اس کے ہونٹوں پر سوکھ کر پپڑیاں جم جاتی ہیں، وہ مٹی کا ایک بے حس و بے جان لاشہ ہوتا ہے جس میں نہ خود زندگی ہوتی ہے اور نہ کسی اور چیز کے لئے زندگی کا سامان، لیکن جب اس کے ہونٹوں پر آسمانی آب حیات کے قطرے گرتے ہیں اور اس کا حلق تر کرتے ہوئے سینہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہی زمین، موت کی نیند سے دفعۃً بیدار ہو جاتی ہے، اس میں زندگی کی توانائی اور جوانی کی رعنائی دوڑ جاتی ہے، وہ گویا جھومتی اور مست ہوتی ہے، اس کا دہانہ دولتوں، شادابیوں اور زندگی کا خزانہ اُگل دیتا ہے، مہکتا ہوا سبزہ، لہلہاتی ہوئی کھیتی، اور سطح زمین پر اُبھرے ہوئے اور پھیل جانے والے کیڑے اور حشرات زمین کی اندرونی زندگی اور حیات بخشی کا پتہ دیتے ہیں، برسات اور بہار کے موسم میں زمین کی اس زندگی کا منظر کس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟

زندگی بعد موت کے شواہد و مناظر ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں اور ہر ایک ان کو دیکھ سکتا ہے، البتہ جو شخص تشریح اجسام اور زمین کے احوال و تغیرات سے زیادہ واقف ہے اور جس نے نباتات وحیوانات کے ظہور ونشو نما کا مطالعہ کیا ہے اس کے لئے اس کی تصدیق اور بعث

بعد الموت کے قیاس کا زیادہ موقع ہے، اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان دونوں حقیقتوں کو حیات بعد الممات کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اور ان کی طرف توجہ دلائی ہے، ایک جگہ فرماتا ہے :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًاط وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (۱)

اے لوگو! اگر تم کو قیامت کے بارہ میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے مشکّل یا غیر مشکّل ٹکڑے سے، تا کہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں، ایک مقررہ مدت تک، پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ بنا کر، تا کہ پھر تم پہنچو پوری جوانی کو اور بعضے تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم وفہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) بے علم ہو کر رہ جاتا ہے۔ (اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگاتی ہے، یہ سب اسی لئے ہے کہ اللہ کی ہستی ہی حق

---

(۱) حج : ۵/۷

ہے اور وہ جلائے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اُٹھائیں گے قبر والوں کو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ثُمَّ اَنْشَأْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (۱)

اور ہم نے بنایا انسان کو مٹی کے خلاصے سے، پھر رکھا ہم نے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں (یعنی رحم مادر میں) پھر بنا دیا ہم نے اس نطفہ کو منجمد خون، پھر کر دیا ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا، پھر بنائی ہم نے اس مضغۂ گوشت میں ہڈیاں، پھر جامہ پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک نئی مخلوق بنا دیا، پس بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے، پھر تم سب اس کے بعد یقیناً مرو گے اور پھر قیامت کے دن یقیناً زندہ کر کے اُٹھائے جاؤ گے۔

زمین کی زندگی اور پانی کی جاں نوازی کی کیفیت قرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ میں جا بجا بیان کی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَاباً فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفاً فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج فَاِذَا اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۱)

---

(۱) مومنون : ۱۲/۱۶

اللہ ایسا قادر و حکیم ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل، پھر وہ اس کو پھیلا دیتا ہے فضائے آسمانی میں، جیسے چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے، پھر تم دیکھتے ہو مینھ کو نکلتا ہے اس کے درمیان سے، پس جب پہنچا دیتا ہے وہ بارش اپنے بندوں میں جن کو چاہتا ہے تو وہ خوشی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس بارش کے نزول سے پہلے وہ ناامید ہوتے ہیں، سو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے زندگی بخش دیتا ہے زمین کو اس کی مردگی کے بعد، بہ تحقیق یہی اللہ جلانے والا ہے مُردوں کو، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاللّٰہُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَاباً فَسُقْنٰہُ اِلیٰ بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ ○ (۲)

اور اللہ ہی ہے جس نے بھیجی ہوائیں، پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم ہانک دیتے ہیں اس کو کسی بے جان شہر کی طرف، پھر ہم اس کے ذریعہ زندہ کر دیتے ہیں زمین کو اس کی مردگی کے بعد۔ بس ایسے ہی ہوگا حشر نشر۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَاءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتیٰ اِنَّہٗ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (۳)

اور اس کی کھلی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو بے جان خشک، آثارِ حیات سے خالی، پھر جب ہم اس پر برسا دیتے ہیں پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے، یقیناً وہی اللہ جس نے زمین مردہ کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِہٖ بَلْدَۃً مَّیْتاً کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ○ (۴)

اور وہ اللہ جس نے برسایا آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں، پھر اس

---

(۱) الروم : ۴۸/۵۰ (۲) فاطر : ۹

(۳) حم سجدہ : ۳۹ (۴) زخرف : ۱۱

کے ذریعہ زندگی بخشی کسی مردہ علاقہ کو، بس ایسے ہی تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔

ان دو نشانیوں اور کھلے ہوئے دو نمونوں کے علاوہ بھی کائنات کی یہ عظیم و وسیع کارگاہ زندگی بعد موت کے نمونے اور منظر دن رات پیش کرتی رہتی ہے، یہاں دم بدم بن بن کر چیزیں بگڑتی اور ٹوٹ پھوٹ کر بنتی رہتی ہیں، ایک بے جان و بے شعور چیز سے اچھی خاصی، جیتی جاگتی، ذی حیات ہستی اور ایک اچھی خاصی جاندار ہستی سے بالکل بے جان اور مردہ چیز برآمد ہوتی ہے۔ بہت سی اشیاء سے ان کے متضاد آثار و نتائج کا ظہور ہوتا ہے، بہت سی مخلوقات میں خلقت کا اعادہ اور زندگی کی بازگشت ہوتی رہتی ہے، جس نے خالق کائنات کی اس لا انتہا قدرت، مخلوقات کی ابتدائی خلقت اور تکوین و تخلیق کی وسعت کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی حیات بعد الموت میں شک نہیں ہوسکتا اور اس کے لئے اس میں قطعاً کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ○ قُلْ سِیْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ ○ (۱)

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو، پھر وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا، یہ چیز اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے خلقت کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، پھر وہی اللہ آخری بار بھی پیدا کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ○ (۲)

نکالتا ہے اللہ زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد۔ پس ایسے ہی قیامت میں تم اٹھائے جاؤ گے۔

---

(۱) عنکبوت : ۲۰/۱۹ (۲) روم : ۱۹

اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور پھر اس کو دوبارہ زندگی بخشنا، دونوں یکساں طور پر آسان ہیں لیکن انسان کے لحاظ سے کسی چیز کا دوبارہ بنانا اس کے پہلی دفعہ بنانے سے بہر حال زیادہ آسان ہے، اس لئے جس نے ایک بار خدا کی صفت خالق کا اعتراف کیا اس کے لئے اس صفت کے دوبارہ ظہور کا اعتراف کرنا بالخصوص جب کہ وہ مخلوق بالکل معدوم نہ بھی ہوئی ہو کچھ مشکل نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ط وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۱)

وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس کو زیادہ آسان ہے اور آسمان و زمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَّ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ○ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَاراً فَاِذَا اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (۲)

کیا (قیامت کا انکار کرنے والا) انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے بنایا ہے سو اب وہ کھل کر اعتراض کرنے لگا ہے، اس نے ہماری شان میں ایک عجیب بات کہی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ کون زندہ کرے گا مردہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی؟ آپ کہیئے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ بنایا تھا وہی ان کو دوبارہ زندہ کردے گا

---

(۱) روم : ۲۷ (۲) یٰس : ۷۷/۸۳

اور ہر طرح کی تخلیق کو خوب جانتا ہے، وہی جو اپنی قدرت سے بعضے ہرے درختوں سے آگ نکالتا ہے پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔ تو کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹو گے۔

وَاللّٰہُ اَنۡبَتَکُمۡ مِنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ○ ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡهَا وَیُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ○ (۱)

اور اللہ نے ایک خاص طور پر تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر وہ تم کو بعد مرگ اسی زمین میں لے جاوے گا (پھر قیامت میں) وہی تم کو اس سے باہر لے آوے گا۔

پھر جس نے اس عالم میں خدا کی صفات کا ظہور دیکھا ہے اور جو اس کی قدرت اور حکمت کے عجائبات سے واقف ہے اس کے لئے یہ کیا عجیب چیز ہے۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ط بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ (۲)

کیا ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق سے وہ تھکا نہیں، وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ○ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَیۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ ○ تَبۡصِرَةً وَّذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ○ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِیۡدِ ○

---

(۱) نوح : ۱۷/۱۸ (۲) احقاف : ۳۳

وَالنَّخْلَ بَاسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِزْقاً لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتاً كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○ (۱)

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی جانب آسمان کو نہیں دیکھا، ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور (روشن ستاروں سے) اس کو رونق بخشی ہے اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں ہے، اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگائے، اس میں ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا سامان ہے اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ باغات اور کھیتی کا غلّہ پیدا کیا، اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں، یہ سب بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندگی بخشی، بس ایسے ہی ہوگا حشر ونشر۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ○ اَفَرَأَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ○ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ○ عَلٰىٓ اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ○ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَاماً فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ○ اَفَرَأَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجاً فَلَوْ لَاتَشْكُرُوْنَ ○ اَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ○ ءَ أَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ○ (۲)

ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا، پھر تم (دوبارہ ہمارے پیدا کرنے کی) کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ اچھا تو یہ بتلاؤ کہ تم جو عورتوں کے رحم میں مادّۂ تولید پہنچاتے ہو تو تم اس کو آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ ہم نے تمہاری موت

---

(۱) ق : ۶/۱۱ (۲) واقعہ : ۵۷/۷۲

کے اوقات مقرر رکھے ہیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے اور آدمی پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں، اور جب تم کو اول پیدائش کا علم ہے پھر تم (اسی سے دوبارہ پیدائش کو) کیوں نہیں سمجھ لیتے؟ اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم جو زمین میں تخم ڈالتے ہو تو تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں جس سے تم متحیر رہ جاؤ اور کہنے لگو کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ہم تو بالکل محروم رہ گئے، اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بدلیوں سے اُتارا ہے یا ہم اس کو برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ○ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ○ ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ○ فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی ○ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِیَ الۡمَوۡتٰی ○ (۱)

معاد پر یقین نہ رکھنے والا انسان کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس کا کوئی خاص مستقبل نہ ہوگا) کیا وہ پہلے ایک قطرۂ منی نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا گیا، پھر وہ منجمد خون ہوگیا، پھر اللہ نے اس پر صورت گری کی اور اس کے اعضاء درست کیے، پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت، تو کیا جس اللہ نے یہ سب کچھ اپنی قدرت سے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو پھر زندہ کرے؟

اس عالم پر تفکر کی نظر ڈالنے اور اس مجموعۂ کائنات کو بحیثیت مجموعی اور اس کے اجزاء کو فرداً فرداً موجہ اور بامقصد پانے سے انسان کا اندرون اور اس کا وجدان سلیم خود شہادت دیتا ہے کہ اس عالم کے بعد ایک دوسرا عالم اور اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جو اس عالم اور زندگی کا تتمہ ہو جس میں اس زندگی کے اعمال کے نتائج ظاہر ہوں، اگر یہ عالم

---

(۱) قیامہ : ۳۶/۴۰

اور زندگی نہیں تو انسان کی خلقت ایک فعل عبث اور یہ سارا کارخانہ بے مقصد اور بے غایت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے :

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَن یُّتۡرَکَ سُدیً (۱)

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثاً وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ○ (۲)

کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں فضول و عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے۔

زمین و آسمان کے متعلق فرمایا :

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَا بَاطِلاً ط (۳)

اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَا لَاعِبِیۡنَ ○ (۴)

اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔

زمین و آسمان اور ان کے عجائبات پر غور کرنے سے انسان کا ضمیر خود شہادت دیتا ہے اور اس کی زبان خود اس کا اعتراف کرتی ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ○ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللہَ قِیَاماً وَّ قُعُوۡداً وَّ عَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبۡحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ○ (۵)

آسمان و زمین کی تخلیق میں اور یکے بعد دیگرے دن رات کی تبدیلی میں ان

---

(۱) قیامہ : ۳۶ (۲) مؤمنون : ۱۱۵ (۳) ص : ۲۷

(۴) دخان : ۳۸ (۵) آل عمران : ۹۲/۹۰

عقل وخرد والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کو یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں، اور زمین و آسمان کی تخلیق کے بارہ میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کارخانۂ عالم کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے، تیری ذات پاک ہے پس تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا ہی کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ایمان بالآخرت کے خواص

ایک مستحکم اور راسخ عقیدہ، ایک صحیح اور بے عیب تخم کی طرح ہے جب دل کی زمین میں یہ تخم پڑ جائے اور زمین اس کو قبول کر لے اور پھر اس کی آبیاری اور خدمت بھی ہو تو اس سے ایک سرسبز پودا ظاہر ہوتا ہے، پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو پوری زندگی کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے۔

ایمان بالآخرت بھی ایک تخم ہے جو اپنے ذاتی خواص رکھتا ہے، جب اس کا صحیح اور طبعی نشو ونما ہو جاتا ہے تو پھر اخلاق واعمال، سیرت وکردار، رفتار وگفتار کوئی چیز اس کے اثر سے خارج نہیں ہوتی، ایک معتقد آخرت اور منکر آخرت کی زندگی اور سیرت میں وہی فرق ہوتا ہے جو مختلف بیجوں سے پیدا ہونے والے درختوں کی شاخوں، پتوں اور پھولوں میں ہوتا ہے۔ معتقد آخرت کی نفسیت ومزاج، اس کی عقلیت، اس کے اخلاق، سب منکر آخرت سے مختلف ہوتے ہیں، یہ دو بالکل مختلف سانچے ہیں جن سے دو بالکل مختلف قسم کی ذہنیتیں ڈھل کر نکلتی ہیں۔

ان دونوں میں اصولی اور مرکزی فرق یہ ہوتا ہے کہ معتقد آخرت عاجل کے مقابلہ میں آجل، نقد کے مقابلہ میں قرض، مسرت فانی کے مقابلہ میں راحت جاودانی کا طلب گار ہوتا ہے، قرآن مجید نے اس اصولی فرق کو اپنی آیات میں بار بار واضح کیا ہے اور اہمیت کے ساتھ اس کو پیش کیا ہے، دنیا کو وہ عاجلہ کہتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کو وہ آخرت کہتا ہے، اور دونوں میں وہ انتخاب کی اجازت دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْماً مَّدْحُوْراً ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْراً ○ (۱)

جو شخص دنیا ہی کی نعمت چاہے تو ہم جتنا چاہیں گے اور جس کے واسطے چاہیں گے اس کو دنیا ہی میں فی الحال دے دیں گے اور پھر ہم اس کے واسطے تجویز کریں گے جہنم، جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا، اور جو کوئی آخرت کا ثواب اور اس جہان کی کوشش عیشی چاہے گا اور اس کے واسطے اس کی والی کوشش کرے گا اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش مقبول ہوگی۔

یہ دو مختلف قسم کی کھیتیاں ہیں، ایک کھیتی جو ابھی بوئی جائے اور آخرت میں کاٹی جائے، دوسری جو فوراً بوئی جائے اور فوراً کاٹ لی جائے۔ قرآن مجید نے جہاں دونوں کھیتیوں کا ذکر کیا ہے، وہاں ایک بڑا لطیف فرق رکھا ہے، فرمایا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی چاہے گا ہم اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے گا ہم اس کو اس میں سے دے دیں گے، یعنی ایک کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے گا اور دوسرے کے نتیجہ کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِي حَرْثِهٖ. وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ○ (۲)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے گا تو ہم اس کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو کوئی دنیا ہی کی کھیتی کو مقصد بنائے گا ہم اس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ دیدیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

منکر آخرت کی اس عاجلانہ اور مستعجلانہ ذہنیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ (۳)

ہرگز نہیں! تم تو بس دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔

---

(۱) اسراء : ۱۸/۱۹ (۲) شوریٰ : ۲۰ (۳) قیامہ : ۲۰/۲۱

اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَیَذَرُوْنَ وَرَاءَ ھُمْ یَوْماً ثَقِیْلاً ○ (۱)

یقیناً یہ لوگ بس دنیا کے متوالے ہیں اور اپنے آگے آنے والے بڑے بھاری دن کا خیال چھوڑے ہوئے ہیں۔

انہیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوْا الْکِتَابَ یَأْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنیٰ، وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَ اِنْ یَّأْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ یَأْخُذُوْہُ، اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْھِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْہِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۲)

پھر ان کے بعد ان کے وہ جانشین آئے جو کتاب (توراۃ) کے وارث ہوئے اور (اس کے ذریعہ) اس دنیائے دنی کی دولت حاصل کرنے لگے (یعنی کتاب اللہ کے علم کو انہوں نے دنیاوی کمائی کا ذریعہ بنایا) اور (اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ ہماری بخشش ہو ہی جائے گی اور (درحقیقت ان کا حال یہ ہے کہ) اگر ان کو ایسی دولت (اللہ پر افترا پردازی کر کے بھی) حاصل ہو تو وہ اس کو لے لیں گے، کیا ان سے اس کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کے متعلق بجز حق کے کچھ نہ کہیں، اور انہوں نے اس کتاب کے احکام کو پڑھا بھی ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم اس کو سمجھتے نہیں؟

دونوں کے منتہائے نظر اور مطلوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْیَا وَمَالَہٗ فِي الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِي الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (۳)

اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا ہی میں دے

(۱) دھر : ۲۷ (۲) اعراف : ۱۶۹ (۳) بقرہ : ۲۰۰/۲۰۱

دے اوران کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعضے وہ ہیں جو یوں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی اچھی زندگی دے اور آخرت میں بھی اچھی زندگی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا۔

زندگی اور دنیا کے متعلق دونوں کا تخیل اور نقطۂ نظر ایک دوسرے سے اصولی طور پر مختلف ہوتا ہے، ایک کہتا ہے :

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (۱)

اے میری قوم! یہ دنیا تو بس ایک سامان ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے۔

دوسرا کہتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ (۲)

یہاں میرے لئے بس یہ دنیوی زندگی ہی ہے اور ہمیں اسی دنیا میں مرنا اور جینا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

آخرت کے عقیدے کے ساتھ تکبر، ذاتی رفعت کا شوق اور زمین میں فتنہ وفساد اور تخریب کا جذبہ جمع نہیں ہوسکتا۔ ان مقاصد و اخلاق کو اس عقیدے کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں، اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳)

آخرت کا یہ گھر (جنت اور اس کی نعمتیں) ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد انگیزی نہیں چاہتے اور اچھا انجام صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

---

(۱) مؤمن : ۳۹ (۲) مؤمنون : ۳۷
(۳) قصص : ۸۳

اسی لئے ایک معتقد آخرت کی زندگی میں ذاتی سر بلندی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے حکومت و اقتدار کی حالت میں بھی بندگی اور نیاز مندی کی خو نہیں جاتی، بلکہ جس قدر اس کی گردن فراز ہوتی ہے اسی قدر اس کا سرِ نیاز جھکتا ہے، اس کو جب طاقت اور دولت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایک منکر آخرت (قارون) کی طرح نہیں پکار اُٹھتا کہ :

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ

مجھے یہ اپنے ہنر اور اپنی دانش سے حاصل ہوئی ہے۔

بلکہ ایک خدا شناس اور معتقد آخرت بندے (سلیمانؑ) کی طرح کہتا ہے۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِيْ ءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط (۱)

یہ میرے پروردگار کی بخشش ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

وہ جب اپنے ہاتھوں کو کھلا ہوا اور اپنی سلطنت کو پھیلی ہوئی دیکھتا ہے تو وہ اس پر ایک خدا فراموش بادشاہ (فرعون) کی طرح یہ نہیں کہہ اٹھتا :

اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ.

اور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً.

کیا ملک مصر اور اس پر حکومت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں۔

کون مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔

بلکہ ایک پیغمبر بادشاہ کی طرح اس کا دل حمد سے لبریز اور اس کی زبان شکر سے زمزمہ سنج ہو جاتی ہے اور وہ بے اختیار ہو کر کہتا ہے :

رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (۲)

خداوندا! مجھے توفیق دے اور میرے لئے مقدر کر دے کہ میں تیرے ان

---

(۱) نمل : ۴۰ (۲) نمل : ۱۹

انعامات کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہوں، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔

وہ دنیا کی اس حکومت پر مطمئن اور قانع نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اصل عزت آخرت کی عزت ہے اور اصلی دولت خدا کی سچی غلامی کی دولت ہے، اس لئے وہ خدا کے انعامات کے شکر کے ساتھ جس آخری چیز کی خواہش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سے ایک سچے فرمانبردار کی طرح اٹھے اور خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو۔ حضرت یوسفؑ کہتے ہیں :

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَأْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (۱)

اے پروردگار تو نے مجھے بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم اور اس کے ذریعہ حقائق فہمی بھی عطا فرمائی، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، اب تو مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور صالحین کے ساتھ شامل کر دے۔

معتقد آخرت دنیا کی رسوائی کے مقابلہ میں آخرت اور میدان حشر کی رسوائی سے زیادہ ڈرتا ہے، وہ اس کے تصور سے لرزاں رہتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے۔

لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ (۲)

خداوندا! مجھے اس دن رسوا نہ کرنا، جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔
جس دن کہ مال و اولاد کچھ کام نہ آویں گے اور بس وہی لوگ (اس دن کی رسوائی سے بچیں گے) جو قلب سلیم لے کر آئیں گے۔

---

(۱) یوسف : ۱۰۱ (۲) شعراء : ۸۷/۸۹

مومن کی دعا ہے

رَبَّنَا اِنَّکَ مَنۡ تُدۡ خِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝
...... وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ۝ (۱)

اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کیا تو اس کو رسوا ہی کر دیا، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ...... اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کر، تیرا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ آخرت کے اس ابدی عذاب اور حشر کی اس ذلت و رسوائی پر دنیا کی بڑی سے بڑی اذیت و تکلیف اور بڑی سے بڑی رسوائی و بدنامی کو وہ ترجیح دیتا ہے، اس خوف سے نہ صرف اس کو برداشت کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنے گناہ کا اظہار کر کے اس کو خود مول لیتا ہے۔

عہد نبوی میں ایک مسلمان مرد ماعز اور ایک مسلمان عورت غامدیہ نے بار بار اپنی غلطی کا اظہار کیا اور خواہش کی کہ ان کو دنیا میں سزا دے کر آخرت کے داغ سے اور جہنم کے عذاب سے بچا لیا جائے، آنحضرت ﷺ نے چشم پوشی کی لیکن وہ بار بار سامنے آئے اور انہوں نے اس سزا کی درخواست کی۔ واقعہ یہ ہے :

عن عبد الله بن بريدة عن أبيه أن ماعز بن مالك الأسلمي أتىٰ رسول الله ﷺ، فقال يا رسول الله! إني قد ظلمت نفسي و زنيت و إني أريد أن تطهّرني فردّه فلما كا ن من الغد أتاه، فقال يا رسول الله! إني قد زنيت، فرده الثانية، فأرسل رسول الله ﷺ إلى قومه، فقال أتعلمون بعقله بأسا تنكرون منه شيئا، فقالوا ما نعلمه إلا و فى العقل من صالحينا فيما نرى، فأتاه الثالثةُ فأرسله إليهم أيضا فسئل عنه فأخبروه أنه لا بأس به و لا بعقله، فلما كانت الرابعة حفرله حفرة ثم أمر به فرجم،

---

(۱) آل عمران : ۱۹۲/۹۴

قال، فجاء ت الغامدية فقالت يا رسول الله إني قد زنيت فطهرني و إنه ردها فلما كان الغد، قالت يا رسول اللهؐ! لِمَ تردني؟ لعلك أن تردني كما رددت ما عزاً، فواللهؐ إني لحبلیٰ، قال أما الآن فاذهبی حتی تلدی، قال، فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة، قالت هذا قد ولدته، قال اذهبی فأرضعيه حتی تطعميه فلما فطمته أتته بالصبي، فی يده کسرة خبز، فقالت هذا يا نبي اللهؐ قد فطمته و قد أكل الطعام، فدفع الصبي إلی رجل من المسلمين ثم أمرلها فحفر لها إلی صدرها و أمر الناس فرجموها، فاستقبل خالد بن وليد بحجر فرمی رأسها فنضج الدم علی وجه خالد فسبّها فسمع نبي اللهؐ سبّه إياها، فقال مهلا يا خالد، فو الذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مکس لغفر له، ثم أمر بو جها فصلی عليها ودفنت. (۱)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ماعز بن مالک اسلمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے اپنے پر بڑا ظلم کر ڈالا، یعنی مجھ سے زنا کا گناہ ہو گیا ہے، لہذا مجھ پر حد جاری کر کے مجھے پاک کر دیا جائے حضور ﷺ نے اس دن ان کو واپس کر دیا، اگلے دن وہ پھر حاضر ہوئے اور وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے زنا صادر ہو گیا ہے، آپ نے اس دوسری دفعہ بھی ان کو لوٹا دیا اور ان کے خاندان والوں کو بلوا کے پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے، ماعز کی عقل میں کچھ فتور اور فرق تو نہیں آ گیا ہے، انہوں نے کہا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہم تو اس کو عقل و فہم کے لحاظ سے اپنی قوم کے اچھے ہی لوگوں میں سمجھتے ہیں، ماعز تیسری دفعہ پھر حاضر خدمت ہوئے۔ حضورؐ نے ان کو ان کے قبیلہ والوں کے پاس بھیج کر پھر ان کے متعلق دریافت کرایا، انہوں نے یہی کہا کہ ہمارے

(۱) صحیح مسلم : کتاب الحدود

نزدیک ان کو کوئی بیماری اوران کی عقل میں کوئی خرابی نہیں ہے، پھر جب چوتھی دفعہ آئے تو ان کے واسطے ایک گڑھا کھدوایا گیا، اور حضورؐ کے حکم سے ان کو سنگ سار کردیا گیا پھر غامدیہ (عورت) آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں زنا کی مرتکب ہوئی ہوں، لہذا حد جاری کرا کے مجھے اس گناہ سے پاک کرادیجئے، حضورؐ نے اس کو واپس کردیا، اگلے دن وہ پھر آئی اور عرض کیا حضورؐ! آپ نے مجھے کیوں واپس کردیا، شاید آپ نے مجھے (شک وشبہ کی وجہ سے) اسی طرح واپس کیا ہے جیسے ماعز کو واپس کیا تھا، سو خدا کی قسم مجھے حمل بھی رہ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یہ بات ہے تو پھر تو اس وقت حد نہیں جاری ہوسکتی، لہذا اب جاؤ، یہاں تک کہ تمہارا بچہ پیدا ہوجائے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب اس کے بچہ ہوگیا تو ایک کپڑے میں اس بچہ کو لے کر آئی اور عرض کیا یہ بچہ ہے جو مجھ سے پیدا ہوچکا ہے (لہذا اب مجھ پر حد جاری کرادی جائے) حضورؐ نے فرمایا نہیں! جاؤ اس کو دودھ پلاؤ، یہاں تک کہ یہ روٹی کا ٹکڑا کھانے لگے، پھر جب اس بچہ کا دودھ چھوٹ گیا اور وہ کچھ کھانے لگا تو پھر یہ اس کو لے کر حاضر ہوئی، اور اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اب اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور یہ کھانا کھانے لگا ہے (لہذا اب مجھ پر حد جاری کرادی جائے) پس حضور نے لڑکے کو لے کر مسلمانوں میں سے ایک شخص کے حوالہ کردیا، پھر حضورؐ کے حکم سے اس کے سینہ تک کا ایک گڑھا کھودا گیا (جس میں اس کو سینہ تک گاڑ کے) اس کو لوگوں نے سنگ سار کیا، ان سنگ سار کرنے والوں میں خالد بن ولید بھی تھے، انہوں نے ایک پتھر اٹھا کے اس کے سر پر مارا اس سے جو خون نکلا تو خالد کے چہرہ تک اس کی چھینٹیں آئیں، انہوں نے اس کو کچھ برا بھلا کہا جس کو رسول اللہ ﷺ نے سن لیا تو آپ نے خالد سے فرمایا: اس کو برا کلمہ نہ نکالو، قسم اس ذات حق کی جس کے قبضہ

میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا کوئی ظالم بھی ایسی توبہ کرے، تو بخشا جائے، پھر حضور کے حکم سے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کردی گئی۔

ایک خالص دنیا پرست اور منکر آخرت کے نقطۂ نظر سے یہ فعل سراسر حماقت اور جنون ہے، ایک آدمی اپنا ڈھکا چھپا عیب ظاہر کرے اور بلا کسی ضرورت کے اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کرے، لیکن ایک مومن کے نقطۂ نظر سے بڑھ کر کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہوسکتا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کے عذاب کو برداشت کرے، اس لئے کہ اس کے نزدیک آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے، زیادہ طویل ہے، زیادہ رسوا کن اور زیادہ پر مشقت ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۝ (۱) اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَخزیٰ (۲) اور عذاب آخرت زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (۳)

اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور وہاں ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

نیز اس عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جلوت اور خلوت میں یکساں طور پر پابندِ قانون، محتاط اور خدا پرست رہتا ہے اور جہاں اس کو دیکھنے والا اور اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، وہاں بھی اس سے اخلاق و دیانت کے خلاف کوئی عمل صادر نہیں ہوتا۔

مدائن کی فتح میں لوگوں نے مال غنیمت میں شاہانِ ایران کا فرش لیا جو لاکھوں روپیہ کی مالیت کا تھا اور محفوظ طریقہ پر سردارِ فوج کے پاس پہنچا دیا، اسی طرح ایک معمولی سپاہی کو کسریٰ کا زرنگار تاج ہاتھ آیا، اس نے بھی اس کو سردار کے حوالہ کردیا، حضرت سعد نے جب یہ سامان حضرت عمرؓ کو بھیجا، اور انہوں نے اس کو مال غنیمت میں دیکھا تو ان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ ''جن لوگوں نے ان بیش قیمت چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا اور ان کی نیت میں

---

(۱) طٰہٰ : ۱۲۷ (۲) حم سجدہ : ۱۶

(۳) رعد : ۳۴

فرق نہیں آیا یقیناً وہ بڑے نیک لوگ ہیں۔"

آخرت کے عقیدے اور یقین کا ایک نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان میں دنیا کی تکالیف اور زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں کی برداشت کی زبردست طاقت پیدا ہو جاتی ہے، جو ایک منکر آخرت میں نہیں ہوتی۔

وہ یقین رکھتا ہے کہ صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کی ایک دوسری زندگی ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور جو اس زندگی کے قوانین اور حالات کے ماتحت نہیں ہے، اس لئے اگر وہ مؤمن ہے اور عمل صالح رکھتا ہے تو اس کو یقین ہے کہ اس کی ساری تکلیفوں کا وہاں بدلہ ملے گا، یہ چار دن کی زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزر جائے گی، پھر وہاں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا، (۱) نیز آخرت کا عقیدہ، دیدار الٰہی کا شوق اور جنت کا اشتیاق، انسان میں ایسی سرفروشی بلکہ خود فراموشی پیدا کر دیتا ہے اور ایسا نشہ طاری کر دیتا ہے جو دوسری تدبیروں، مسکرات، رجزیہ اشعار اور دوسرے طریقوں سے ممکن نہیں، مومن اپنی جان کو ایک فروخت کیا ہوا سودا سمجھتا ہے جس کی قیمت اس کو جنت کی صورت میں ملے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف (۲)

بیشک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض میں۔ وہ جہاد کرتے ہیں راہِ خدا میں پس قتل بھی کرتے ہیں اور قتل بھی ہوتے ہیں۔

اسی عقیدہ نے مسلمانوں میں جان دینے کے لئے وہ بیقراری اور اسلام کے لئے وہ جاں نثاری پیدا کر دی جس کی نظیر نہیں ملتی، مسلم کی روایت ہے کہ دشمنوں کی موجودگی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول سنایا کہ "جنت کے دروازے تلواروں

---

(۱) اسی لئے اسلامی ممالک میں خودکشی کے واقعات کا تناسب مغربی ممالک کے مقابلہ میں بمنزلہ صفر کے ہے، اور اتنے واقعات بھی وہاں پیش آتے ہیں جہاں مغربی تہذیب و تعلیم اور مادیت و دنیا پرستی نے انکار آخرت پیدا کر دیا ہے یا آخرت کے خیال کو بالکل دھندلا کر دیا ہے۔

(۲) توبہ : ۱۱۱

کے سایے کے نیچے ہیں'' ایک شخص جو پریشان حال تھا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا، کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے ابوموسیٰ! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا اور کہا کہ میرا اسلام قبول کرو، میں رخصت ہوتا ہوں، پھر تلوار کا نیام توڑا اور زمین پر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمنوں میں گھس گیا اور راہ خدا میں جان دے دی۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا :

قوموا إلیٰ جنة عرضها السمٰوات وَالاَرْض. (۱)

اُٹھو چلو اس جنت کی طرف جس کے عرض میں تمام زمین اور آسمان ہیں۔

عمیر بن ہمام انصاریؓ نے کہا ''یا رسول اللہ ایسی جنت جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہے یا جس کی چوڑائی میں زمین و آسمان آجائیں گے؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں! انہوں نے کہا ''اوہو'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ کیوں کہتے ہو؟'' انہوں نے فرمایا یا نبی اللہ! صرف اس امید میں کہتا ہوں کہ شاید میں بھی اس جنت کے لوگوں میں سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ''تم ان میں ہو!''۔ وہ اپنی زنبیل میں سے کھجور نکالنے اور کھانے لگے، پھر کہا کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ تو بڑی لمبی زندگی ہے، پھر انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (۲)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ انس بن نضرؓ نے اُحد میں حضرت سعد بن معاذؓ کو دیکھا تو کہا کہ ''نضر کے خدا کی قسم مجھے جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑوں کے اس طرف سے آرہی ہے، جب وہ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر کچھ اوپر اسّی زخم تھے، تلوار کے، نیزے کے اور تیر کے زخموں سے چھلنی ہو جانے کی وجہ سے ان کو پہچانا بھی نہیں جا سکتا تھا مگر ان کی بہن نے ان کی صرف ایک انگلی کی وجہ سے پہچان لیا جس میں کوئی خاص نشانی ہو گی۔

انکارِ آخرت کے خواص

انکارِ آخرت کا پہلا اور طبعی اثر یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور دنیا کی چیزوں سے لذت و

---

(۱) مسلم (۲)

تمتع کا اور انتفاع واستفادہ کا ایک جنون اور بحران پیدا ہوجاتا ہے اور یہی مقصد حیات قرار پاتا ہے، جو جماعت یا سوسائٹی (معاشرہ) یہ عقیدہ رکھتی ہے اس کے ہر گوشہ سے صدائے ناؤ نوش اور نعرہ "بعیش کوش" بلند ہوتا رہتا ہے اور اس کی ساری زندگی اس مسابقت کا مظاہرہ ہوتی ہے اور درحقیقت انکار آخرت کے بعد یہ جنون عین فرزانگی ہے، جو اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کے تصور سے خالی ہو، وہ اس زندگی میں لطف اٹھانے اور جگر کی آگ بجھانے میں کیوں کمی کریں، اور عیش ولطف کو کس دن کے لئے اٹھا رکھیں، اسی لئے قرآن کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (۱)

اور جو لوگ منکر ہیں وہ (آخرت سے بے فکر ہو کر اس دنیا میں) عیش کرتے ہیں اور حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، حالانکہ دوزخ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔

تم ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ خوب کھاویں اور عیش کریں اور ان کے خیالی منصوبے ان کو مبتلائے غفلت رکھیں، سو عنقریب ان کو حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

انہیں اشخاص سے قیامت کے دن کہا جائے گا۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۲)

تم اپنی لذتیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر چکے اور وہاں تم نے خوب عیش اڑا لئے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے۔

انکار آخرت کا طبعی نتیجہ ہے کہ یہ دنیا، اس کی چیزیں، اس میں کام آنے والے اعمال زیادہ آراستہ اور نظر فریب بن جاتے ہیں، مادّی ذہنیت اور سطحی نگاہ ہوجاتی ہے جو حقائق تک نہیں پہنچ سکتی۔

---

(۱) محمد : ۱۲ (۲) احقاف : ۲۰

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ. (۱)

جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال ان کی نظروں میں آراستہ کردئے ہیں پس وہ راہ حق سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً ○ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْناً ○ ذٰلِكَ جَزَآءُ هُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْآ اٰيٰتِي وَرُسُلِيْ هُزُواً ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً ○ خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَايَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلاً ○ (۲)

آپ کہئے! کیا تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بہت ہی خسارہ میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت حیاتِ دنیا میں ضائع ہوئی اوراز راہِ جہالت وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک کام کررہے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات کا اور آخرت میں اس کے حضور حاضری کا انکار کیا، پس ان کے کئے کرائے اعمال بھی اکارت گئے، پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے، یہ ان کی سزا ہے جہنم، بہ سبب ان کے کہ انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کی مہمانی اور رہائش کے لئے فردوس کے باغ ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں جانا نہ چاہیں گے۔

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ زندگی میں حقیقت وسنجیدگی کا حصہ کم اورلہو ولعب کا حصہ زیادہ ہوتا ہے، ان کی زندگی کے ایک بڑے حصے کو تفریحات اور سرور ونشاط کے اعمال و مشاغل گھیرے رہتے ہیں اور بڑے بڑے نازک وقتوں اور خطرات میں بھی ان کے اس تفریحی انہماک سے لطف اندوزی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

(۱) نمل : ۴ (۲) کہف : ۱۰۳/۱۰۸

وَذَرِ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡواً وَّ لَعِباً وَّ غَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا. (۱)

اور آپ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور اس دنیا کی چند روزہ زندگی نے ان کو مبتلائے فریب کر رکھا ہے۔

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ حوادث و واقعات کے حقیقی اسباب و علل پر ان کی نظر نہیں پڑتی، بلکہ چند ظاہری چیزوں میں اُلجھ کر رہ جاتی ہے، وہ معاملات کی گہرائی تک نہیں اُتر سکتے اور ظاہری سطح سے نیچے نہیں جاسکتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عین ہلاکت کے وقت بھی ان کا تفریحی انہماک اور غفلت کم نہیں ہوتی، وہ ان واقعات کی کوئی تاویل کر لیتے ہیں اور ان کی کوئی فرضی یا غیر حقیقی وجہ تلاش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے رویہ میں کوئی انقلابی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ آیت شاہد ہے :

فَلَوۡ لَا اِذۡ جَآءَ هُمۡ بَأۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَلٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطَانُ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ○ (۲)

پس ان پر جب ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے اور کیوں انہوں نے زاری اور انابت کی راہ اختیار نہ کی، لیکن بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا ہے۔

انکار آخرت کا ایک اخلاقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی اعمال کا کوئی محرک باقی نہیں رہتا اور ان اخلاق و اعمال کی کوئی آمادگی پیدا نہیں ہوتی جن میں کوئی دنیاوی منفعت یا مصلحت نظر نہیں آتی، یا ان کے کرنے کے لئے انسان مجبور نہیں ہوتا۔

اَرَأَيۡتَ الَّذِيۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِيۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ○ (۳)

کیا تم نے اس کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے، وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور غریب حاجتمندوں کو کھلانے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا۔

اور اگر وہ ایسے کوئی اخلاقی اعمال کرتے بھی ہیں تو محض دکھاوے کے لئے :

---

(۱) انعام : ۷۰ (۲) انعام : ۴۳

(۳) ماعون : ۱/۳

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطَانُ لَهٗ قَرِيْناً فَسَآءَ قَرِيْناً ۝ (۱)

اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے اموال لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور ایمان نہیں رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور جس کسی کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

انکار آخرت کی ایک خاصیت تکبر ہے، منکر آخرت کو متکبر ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، جو اپنے سے کسی بالاتر طاقت اور ایک ہمہ داں اور ہمہ بیں حاکم کی عدالت اور اس زندگی کے بعد کسی زندگی اور روز جزا کا یقین نہیں رکھتا، اس کو ایک شتر بے مہار اور ایک سرکش انسان بننے سے کیا چیز روک سکتی ہے، دنیاوی قانون اور مصالح اور موانع کسی حد تک اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے لیکن یہ موانع جب دور ہو جائیں گے یا ان موانع پر جہاں وہ غالب آسکے گا تو وہاں وہ فرعون بن کر بھی نمودار ہوگا، اسی لئے قرآن مجید میں انکار آخرت کے ساتھ اکثر تکبر کا ذکر کیا گیا ہے، گویا کہ ان دونوں کا تعلق لازم و ملزوم یا علت و معلول کا سا ہے۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (۲)

اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ متکبر لوگ ہیں۔

فرعون اور اس کے لشکر کے متعلق کہا گیا :

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجِعُوْنَ ۝ (۳)

اس نے اور اس کے لشکریوں نے ناحق زمین میں تکبر اور گھمنڈ اختیار کیا اور

---

(۱) نساء : ۳۸ (۲) نحل : ۲۲
(۳) قصص : ۲۹

انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کے اس قول میں جو قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (۱)

اور موسیٰؑ نے کہا میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں، ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

منکر آخرت عموماً اس دنیا میں بھی ایک روحانی عذاب اور نفسانی کوفت میں مبتلا رہتا ہے، ان میں جن لوگوں کا احساس باطل اور ان کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے، ان کو یہ کھٹک ہر حال میں تکلیف دیتی رہتی ہے کہ زندگی بہر حال محدود ہے، عمر کتنی ہی طویل ہو عیش و عشرت کا سامان کتنا ہی زیادہ ہو، موت یقینی چیز ہے اور اس گلزار عیش سے ایک دن ضرور ہی نکلنا پڑے گا اور اس عیش و عشرت کو لازماً چھوڑنا پڑے گا، دل کی یہ پھانس اور آنکھوں کی یہ کھٹک ان کے عیش کو مکدر اور بے چین رکھتی ہے، دنیا میں وہ بڑے ناامید اور مایوس ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان سے بڑھ کر کون ناامید ہوسکتا ہے۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے

اس لئے ان میں سے بہت سے لوگ اپنے دل کو موت کے خیال سے بچاتے رہتے ہیں، اور اس کا خیال کسی طرح آنے نہیں دیتے، موت کے ذکر سے بھی ان کو وحشت ہوتی ہے اور بعض اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں کہ ان کو کسی طرح بھی یہ ناگوار حقیقت یاد نہ آئے، اس لئے وہ لوگ مسکرات و منشیات کا استعمال کرتے ہیں تاکہ ان پر ہمیشہ بیخودی اور خود فراموشی طاری رہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

---

(۱) مؤمن : ۲۷

پھران کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ساری عمران کو یہ تلخ حقیقتیں کبھی یاد نہیں آتیں اور ان کا یہ عالم ہوتا ہے۔

سدا خوابِ غفلت میں مدہوش رہنا
دمِ مرگ تک خود فراموش رہنا

ان کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب وہ ہمیشہ کے لئے بند ہونے لگتی ہیں۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْھَا وَھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝ (۱)

بڑے گھاٹے میں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بتاتے اور جھوٹ سمجھتے ہیں اللہ کے سامنے کی پیشی کو، یہاں تک کہ جب آجائے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے ہائے حسرت! اس پر جو ہم نے کوتاہیاں کیں اس دن کی تیاری میں، اور وہ لادے ہوں گے اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر، خبردار! بہت برے اور تباہ کن ہوں گے ان کے وہ بوجھ جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

وَمَا ھٰذِهِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۲)

اور یہ دنیوی زندگی تو صرف ایک کھیل تماشا ہی ہے اور اصل زندگی تو بس دارِ آخرت ہی کی ہے، کاش! لوگ اس حقیقت کو جان لیتے۔

تمت بالخیر

☆ ☆ ☆

---

(۱) انعام : ۳۱ (۲) عنکبوت : ۶۴